جلد 12 شمارہ 3 جنوری 2010ء محرم 1431ھ

ماہنامہ

ماہنامہ
# آدمیت
گوجرانوالہ
فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائننگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی

ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین

پیر خان، عتیق احمد عباسی

ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی

پروفیسر غلام شبیر شاہد
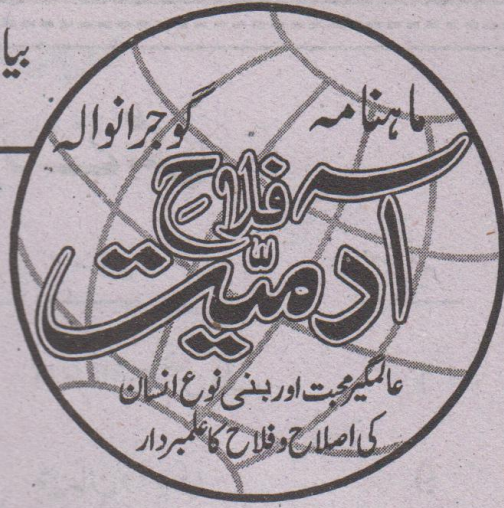
شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)

وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ——— 20/- روپے

سالانہ فنڈ ——— 200/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

# اس شمارے میں

# درس قرآن

ڈاکٹر غلام مرتضےٰ ملکؒ

سورۃ الانبیاء

نام: اِس سورۃ میں بہت سے انبیاء کے تذکرے کی وجہ سے اس کا علامتی نام "الانبیاء" رکھا گیا۔

## زمانہ نزول

مکی زندگی کے دوسرے دور کا آخر اور تیسرے دور کا آغاز اس سورۃ کا زمانہ نزول ہے۔

## مضامین

قریش مکہ کی جانب سے آپؐ کے پیغام رسالت (عقیدہ توحید اور حیات بعد الموت) پر مختلف و متضاد اعتراضات ہوا کرتے تھے۔ اِس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے واقعاتی شہادتوں اور انفس و آفاق کے دلائل کی روشنی میں ان کے اعتراضات کا ازالہ کیا ہے اور اہل مکہ کو اس بات پر متنبہ بھی کیا ہے کہ جس انداز سے تم نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پیش آ رہے ہو، اس کا انجام ہمیشہ عبرت ناک ہوا۔

(الف) انسان کبھی منصب رسالت پر فائز نہیں ہوسکتا۔ اس کا تذکرہ اس سے قبل سورۃ الانعام، بنی اسرائیل اور کہف میں بھی ہے۔

(ب) عقیدہ آخرت کا وہ مذاق اُڑاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ عقیدہ محض واہمہ ہے۔ زندگی چند روزہ کھیل کود کا نام ہے اور جزاء وغیرہ کی کوئی حقیقت نہیں۔

عقیدہ آخرت کا انکار تمام گمراہیوں اور بدعملیوں کی بنیاد بنتا ہے۔ کیونکہ اس سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ اِسی غفلت کے باعث وہ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو انتہائی تحقیر آمیز انداز سے دیکھتے اور قرآن کے بارے میں یوں کہتے کہ یہ محمد (ﷺ) کا اپنا کلام ہے جو وہ خود روزانہ گھڑ کر پیش کر دیتے ہیں۔ شرک (جو اہل مکہ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا تھا) کی بابت وہ کسی بھی حقیقت پسندانہ گفتگو کو سننے کی تاب نہ رکھتے تھے اور اس کے ساتھ رسالت کے انکار پر ان کی یہ دلیل تھی کہ

یہ نبی بارہا عذاب کی وعیدیں سنا چکے ہیں مگر آج تک وہ عذاب نہیں آیا۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ محض دھمکیاں ہیں تاکہ ہمیں مرعوب کیا جاسکے۔

اِن سب باتوں کے پیشِ نظر پہلے انبیاء کے حالات زندگی کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا کہ انبیاء اپنی نوع کے اعتبار سے انسان ہی ہوتے ہیں۔الٰہی صفات میں سے کسی ایک علامت اور صفت کا ان میں شائبہ تک نہیں ہوتا۔وہ خود اپنی ضروریات اور حاجات کیلئے اللہ تعالیٰ کے حضور دست بدعا رہتے ہیں۔ان کی دعوت کے مخالف ان کے درپے آزار ہوتے ہیں تو نصرت الٰہی ان کے ساتھ شامل ہوتی ہے۔کیونکہ وہ اللہ کے امین ہوتے ہیں۔اِسی طرح یہ نبی (محمد ﷺ) بھی اِسی دین کو پیش کررہے ہیں جو پہلے انبیاء پیش کررہے ہیں جو پہلے انبیاء پیش کرچکے ہیں اور یہی اصل دین ہے اور اس کے علاوہ جس قدر مذاہب اس دنیا میں موجود ہیں، وہ گمراہ اور بدباطن لوگوں کے اوہام کا مجموعہ ہیں۔

اس سورۃ میں اس مضمون کو بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ کامیابی و کامرانی انہی لوگوں کا مقدر ہوتی ہے جو اس دین برحق کو اپنی زندگی کے سارے معاملات میں راہنما بنالیں اور اس دین کو رد کرنے والوں کا انجام بدتر اور عبرت ناک ہوگا۔یہ سب باتیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نبیوں کے ذریعے سے وقت سے پہلے بتا رہے ہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کرکے اللہ کی رحمتوں کے حقدار بن سکیں۔

اخلاقی تعلیمات کے ضمن میں اس سورۃ میں خیرات،صبر،علم،نیکی اور انصاف کا خصوصی ذکر ہے جب کہ ظلم،کفر،غفلت اور دین کا مذاق اُڑانے کی مذمت کی گئی ہے۔

## تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**اقترب للناس حسابهم و هم فی غفلة معرضون○**

''لوگوں کا حساب نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں،، (الانبیاء۔1)

## عقیدہ آخرت

سورۃ کا آغاز قیامت کے تذکرے کے ساتھ ہے۔جس سے انسان غافل بنا ہوا ہے جبکہ یہی غفلت اس کی تباہی و بربادی کا باعث ہے۔کیونکہ اس غفلت کے باعث مشرکین مکہ نبی کریمؐ کے پیغام نبوت کو"پراگندہ خواب""من گھڑت کہاوتیں اور شاعری" قرار دے رہے ہیں۔ان کا نظریہ یہ ہے کہ آپ اپنی جسمانی ساخت اور حسب ونسب کے اعتبار سے انسان ہیں اور کوئی بھی انسان منصب رسالت کا اہل نہیں بن سکتا اور یہی غلط نظریہ ہر دور کے مشرکین کی حق سے دوری کا سبب بنتا رہا۔جبکہ ہر دور کے مشرک پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی صداقت کو جزوی یا کلی طور پر تسلیم کرتے تھے اور یہی کیفیت مشرکین مکہ کی بھی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:۔

**وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحي اليهم فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون o وما جعلنهم جسدا الا ياكلون الطعام وما كانوا خلدين o**

"اور ہم نے آپ سے پہلے مرد(انسان) ہی نبی بنا کر بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔اگر تم نہیں جانتے تو ذکر والوں (اہل کتاب) سے پوچھ لو۔اور ہم نے اُن کے جسم ایسے بھی نہیں بنائے کہ ان کو کھانے کی ضرورت نہ ہو اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے"۔ (الانبیاء:7-8)

اِسی طرح ایک اور مقام پر یہی بیان ہے کہ لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ شخص تو ہم جیسا انسان ہے، یہ رسول کیسے ہوسکتا ہے؟نیز یہ کیسا رسول ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے اور بازاروں میں بھی چلتا پھرتا ہے۔یہ موضوع قرآنِ مجید میں کئی جگہوں پہ بیان ہوا ہے۔کیونکہ اِن لوگوں کا خیال تھا کہ جو بشر ہے، وہ رسول نہیں ہوسکتا اور اس لئے ہم آپ پر ایمان نہیں لائے۔کئی مقامات پر اس کا رد کیا گیا کہ بشر کو ہم ہی نے نبی بنا کر بھیجا ہے کیونکہ اگر یہ دنیا فرشتوں کی ہوتی تو ہم فرشتہ بطور نبی بھیج دیتے جبکہ تم انسان ہو اور تم کو اتباع بھی کرنا ہے،اس لئے ہم نے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا بلکہ اب تک جتنے بھی رسول آئے، سب کے سب انسان اور بشر ہی تھے۔یہ فتنہ ہمیشہ ہی

لوگوں کے ذہنوں میں رہا کہ جو شخص بشر ہے، وہ رسول نہیں ہوسکتا۔ اب بالکل وہی فتنہ دوسرے رنگ میں آ گیا۔ پہلے تو رسول نہیں مانتے تھے، اس لئے کہ وہ بشر تھا۔ اب رسول مان لیا تو بشر نہیں مانتے۔ فتنہ کا انداز وہی ہے۔ جبکہ قرآن مجید میں بتاکید صراحت ہے کہ اب تک ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے، وہ سب بشر ہی تھے۔ بشریت نبوت کے منافی نہیں بلکہ اللہ (خالق) کے بعد مخلوقات میں بلندترین مرتبہ بشر کا ہے، کسی اور مخلوق کا نہیں اور پھر انہی انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ نے چن کر نبوت ورسالت عطا کی۔ قرآن کو بعد کی آیت میں ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اس میں تدبر کرو۔ اس کے بعد بستیوں کی بربادی کا سبب مذکور ہے اور وہ ہے "ظلم" یعنی حق کو نہ پہچاننا۔ اس بات کا اقرار مجرم خود اپنی زبان سے اس وقت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کی بد اعمالیوں کے سبب گرفت میں لے لیتے ہیں۔

### ایک سے زیادہ معبود فساد کا باعث!

توحید الٰہی کیلئے آفاق کی شہادت کے بعد مشرکین کو ایک اور جانب توجہ دلائی کہ اگر اس کائنات میں ایک سے زائد معبود (الٰہ) ہوتے تو نظام کائنات فساد کا شکار ہو جاتا اور اگر اس مسلمہ حقانیت کے باوجود بھی وہ شرک پر آمادہ ہیں تو اس کیلئے کوئی معقول دلیل پیش کریں۔ کیونکہ آج تک جس قدر رسول مبعوث کئے گئے، وہ سبھی اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے تھے۔

اس کے مقابل مشرکوں کی بداعتقادی کا یہ عالم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور مقرب بندوں کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دے کر ان کی پوجا اس لئے کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے، ان کے اس باطل عقیدہ کو یوں رد کیا گیا:۔

**لا یسبقونه بالقول وهم بامره یعملون۝**

"اس کے آگے بڑھ کر نہیں بول سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں"۔ (الانبیاء 27)

یعنی وہ اللہ کی مشیت اور اجازت کے بغیر سفارش نہیں کریں گے۔

اظہار حقیقت کے بعد پھر غور و فکر کیلئے زمین، پہاڑوں، وادیوں، آسمانوں، رات اور دن کی

تخلیق کوبطور گواہ بیان فرمایا اور انکے مخلوق ہونے اور خالق نہ ہونے پر ارشاد فرمایا۔

**کل نفس ذائقة الموت ۔ ونبلوکم بالشر والخیر فتنة ۔ و الینا ترجعون o**

''ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم تم لوگوں کو تنگی اور فراخی میں آزمائش کے طور پر مبتلا کرتے ہیں اور تم کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے''۔ (الانبیاء:35)

اس تنبیہہ اور وعید کے بعد کفار مکہ کی خصلت بد کا ذکر ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر استہزاء کرتے۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو تسلی اور حوصلہ دلانے کیلئے فرمایا کہ آپ سے قبل بھی ہر دور کے کفار نے انبیاء کے ساتھ مذاق کیا اور ان کی یہی بدعملی ان کیلئے عذاب کا سبب بنی اور اللہ کا عذاب اس قدر شدید ہوا کرتا ہے کہ اگر کسی انسان کو اس عذاب کا ایک جھونکا بھی چھو لے تو وہ زندگی بھر کی مسرتوں اور شادمانیوں کو بھول جائے گا۔ ان باتوں کیلئے بطور دلیل پہلے انبیاء اور اُمتوں کے تذکرے فرمائے لیکن ان واقعات کی تفصیلات سے قبل میں ایک حیرت انگیز بات کی طرف آپکی توجہ دلاؤں گا۔

## ایک حیرت انگیز انکشاف

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

**اولم یر الذین کفروا ان السموت والارض کانتا رتقاففتقنھما وجعلنا من الماء کل شیءٍ حی۔ افلا یومنون o**

**وجعلنا فی الارض رواسی ان تمید بھم وجعلنا فیھا فجاجًا سبلا لعلھم یھتدون o**

**وجعلنا السماء سقفا محفوظا و ھم عن ایتھا معرضون o وھو الذی خلق الیل والنھار والشمس والقمر ۔ کل فی فلك یسبحون o**

''کیا وہ لوگ جنہوں نے نبی (ﷺ) کی بات ماننے سے انکار کر دیا ہے، غور نہیں کرتے کہ یہ سب آسمان اور زمین باہم ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں جدا کیا اور پھر پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی۔ اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیئے تا کہ زمین انہیں لے کر ہلنے نہ لگ جائے اور ہم نے

اس میں کشادہ راہیں بنادیں شاید کہ لوگ اپنا راستہ معلوم کرلیں اور ہم نے آسمان کوایک محفوظ چھت بنادیا مگر یہ ہیں کہ اس کی نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اور وہ وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا۔سب ایک ایک فلک میں تیر رہے ہیں،،

(الانبیاء:30-33)

مذکورہ آیات میں قرآنِ مجید جس چیز کی جانب اشارہ کررہاہے، اس کو آج کی سائنس نے ڈیڑھ ہزار سال کے بعد ایک بہت بڑا انکشاف قرار دیا ہے۔وہ یہ کہ زمین اور سیارگان بہت عرصہ پہلے اس انداز میں بنے کہ سورج کے قریب سے کوئی بہت بڑا سیارہ گزرا اور وہ اتنی تیزی سے گزرا کہ اس نے سورج میں سے بہت سے سیاروں کو جدا کردیا۔یہ زمین بھی انہیں سیاروں میں سے ہے جو سورج سے جدا ہوئے۔پھر یہ زمین اور الگ ہونے والے سارے سیارے سورج کے اردگرد حرکت کرنے لگے۔ابتداءً یہ سب سیارے اور زمین آگ کی شکل میں تھے۔اب بھی آگ موجود ہے۔یہ وہی آگ ہے جو کبھی کبھی آتش فشاں پہاڑ بن کر نکلتی ہے اور لاوا جوں جوں زمین پر پڑتا ہے، ٹھنڈا ہو جاتا ہے اس کے سبب یہ زمین آہستہ آہستہ سکڑ رہی ہے۔اس کا حجم کم ہو رہا ہے۔یہ اس دور کی مسلمہ حقیقت ہے، کوئی نظریہ (Theory) نہیں۔پھر اس زمین پر پانی بنایا جو زمینی مخلوقات کیلئے مدارِ حیات ہے۔

اوپر ذکر ہوا کہ لاوا زمین میں سے نکل کر ٹھنڈا ہو رہا ہے جسکے باعث زمین سکڑ رہی ہے اور اس کا حجم کم ہو رہا ہے۔اس دور کے اس انکشاف کو دوسرے مقام پر یوں واضح کیا:۔

**افلا یرون انا ناتی الارض ننقصھا من اطرافھاط افھم الغلبونo**

''کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے سکیڑ رہے ہیں پھر کیا یہ غالب آ جائیں گے''؟۔ (الانبیاء:44)

یہ بات اتنے واضح الفاظ میں کہی کہ اس دور کا سائنسدان بھی پریشان ہو گیا کہ اتنی بڑی سائنسی حقیقت کا اظہار آج سے چودہ سو سال قبل کیسے کردیا گیا؟ ظاہر ہے یہ انسانی علم نہیں تھا بلکہ وحی الٰہی تھی۔

### انبیاء کا ذکر

اس لطیف بات کے بعد مختصراً موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو دی گئی نورانی ہدایت کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے حدیث میں آنے والی ایک بات کا اضافہ ضروری ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب آگ میں ڈالا جا رہا تھا تو اس وقت سیدنا جبرائیل امین علیہ السلام نمودار ہوئے اور عرض کیا کہ ابراہیمؑ! میرے لائق کوئی خدمت، ضرورت اور حاجت ہو تو حکم دیں۔ اب اس نازک وقت میں ابراہیم علیہ السلام اسے کہہ سکتے تھے کہ یہاں ایک پر مارو اور اس آگ کو بجھا دو۔ لیکن جبرائیل علیہ السلام کو انہوں نے ایک تاریخی جواب دیا۔

''حاجت تو ہے مگر تم سے نہیں''۔

آنے دو اُسے جس کے لئے چاک کیا ہے
ناصح سے گریباں کو سلانے کے نہیں ہم

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جبرائیل کو درمیان سے ہٹا دیا کہ اگر آج اللہ تعالیٰ اس بات پر راضی ہے کہ میں آگ میں کود جاؤں تو میں بھی اس پر راضی ہوں لیکن اگر وہ اس بات پر راضی نہیں تو وہ خود جانے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کو گل و گلزار بنا دیا۔

اس کے بعد کی آیات میں ابراہیم علیہ السلام پر کئے گئے انعامات کا ذکر اور دوسرے انبیاء کے حالات ہیں۔ مثلاً حضرت لوط علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام، حضرت ذوالکفل علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، حضرت زکریا علیہ السلام۔ ان تمام جلیل القدر پیغمبروں کے مختصر واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ رب العزت نے قیامت کے روز ہونے والی زمینی کیفیت کا ذکر فرمایا:۔

### قیامت کا ذکر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

**یوم نطوی السماء کطی السجل للکتب ط کما بدانا اول**

**خلق نعیدہ ط وعدا علیناط انا کنا فعلینo**

**ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحونo ان فی ھذا لبلغا لقوم عبدینo**

''(اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ کر رکھ دیں گے جیسے طومار میں اوراق لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ جس طرح ہم نے پہلے تخلیق کی تھی، اسی طرح ہم پھر اس کا اعادہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے ایک وعدہ ہے اور یہ کام ہمیں بہر حال کرنا ہے اور زبور میں ہم نصیحت کے بعد لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث نیک بندے ہوں گے۔ اس میں عبادت گزار بندوں کیلئے ایک بڑی خبر ہے۔ (الانبیاء:104-106)

اس سورت کی آخری آیت میں نبی اکرمؐ کی آفاقی و عالمگیر نبوت کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

**وما ارسلنك الا رحمة للعالمینo** (الانبیاء:107)

''(اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

یعنی نبی کریم ﷺ سے پہلے جتنے انبیا یا رسول آئے، وہ خاص قوم، خاص علاقے اور خاص وقت کیلئے تھے لیکن حضور اکرم ﷺ کی نبوت اور آپؐ کی رسالت آفاقی ہے۔

سورۃ کا اختتام ایک جامع دعا پر ہے جس میں ربُّ العالمین سے دُعا کی گئی ہے:۔

**قل رب احکم بالحق ط و ربنا الرحمن المستعان علی ما تصفونo**

''(آخر کار) رسولؐ نے کہا: اے میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور (لوگو!) تم جو باتیں بناتے ہو، اُن کے مقابلے میں ہمارا ربّ رحمٰن ہی ہمارا مددگار ہے۔ (الانبیاء:112)

# عورت اور اسلام

## پیر خان توحیدی

عورت عربی زبان کا لفظ ہے۔لغت میں اس کے معنی ستر کے آتے ہیں۔جبکہ اصطلاح میں عورت مرد کی مدمقابل کو کہا جاتا ہے۔حضرت حوا،حضرت آدمؑ کی دائیں پسلی سے پیدا ہوئیں اس لئے مرد کو مقدم اور عورت کو موخر تصور کیا جاتا ہے۔لیکن تمدنی فکری اور سماجی اعتبار سے دونوں مساوی ہیں۔البتہ مرد کو سربراہ ہونے کی حیثیت سے فوقیت حاصل ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

''**الرجال قوامون علی النساء**''مردوں کو عورتوں پر فوقیت حاصل ہے اِسی طرح حدیث میں ہے کہ جس قوم نے مرد کے کام عورت کے سپرد کئے یا جس قوم نے عورت کو اپنا امام بنایا وہ قوم فلاح حاصل نہیں کرسکتی۔

عورت کے صحیح مقام کا تعین ایک ایسا نازک مسئلہ تھا جو صدیوں سے چلا آرہا تھا۔دنیا میں بے شمار اقوام و مذاہب گزرے مگر کسی نے عورت کو اس کا صحیح مقام اور مرتبہ نہیں دیا بلکہ عموماً اسے حقیر سمجھا گیا۔عجیب بات یہ ہے کہ بڑی بڑی اقوام جنہیں فطری اور عالمگیر مذہب ہونے کا دعویٰ تھا۔انہوں نے بھی عورت کو ایک بے معنی چیز سمجھا اور اِسے چوپاؤں اور باندی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں دی۔اسلام سے پہلے اقوام اور مذاہب میں عورت کا کیا مقام تھا یہ جاننے کیلئے ہمیں چند ملکوں اور قوموں کے نظریات کا جائزہ لینا ہوگا۔

اقوامِ قدیمہ میں جس قوم کی تہذیب سب سے زیادہ شاندار نظر آتی ہے وہ اہل یونان ہیں۔اس قوم کے ابتدائی دور میں اخلاقی نظریہ قانونی حقوق اور معاشرتی دہا ؤہر اعتبار سے عورت کی حیثیت بہت گری ہوئی تھی۔یونانی خرافات میں ایک خیالی عورت پانڈورا کو اسی طرح تمام انسانی مصائب کا موجب قرار دیا گیا تھا جس طرح یہودی خرافات میں حضرت حوا کو قرار دیا گیا ہے۔حضرت حوا کے متعلق اس غلط افسانے کی شہرت نے عورت کے بارے میں یہودی اور مسیحی اقوام کے رویئے پر جو زبردست اثر ڈالا ہے اور قانونِ معاشرت و اخلاق نے ہر چیز کو جس طرح متاثر کیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔قریب قریب ایسا ہی اثر پانڈورا کے تو ہم کا یونانی ذہن پر بھی ہوا تھا۔اُن کی نگاہ میں عورت ایک ادنیٰ درجہ کی مخلوق تھی معاشرت کے ہر پہلو میں اس کا مرتبہ گرا ہوا رکھا گیا تھا۔اور عزت کا مقام صرف مرد کیلئے مخصوص تھا۔عورت اور غلام کی حیثیت میں کوئی زیادہ فرق نہ تھا یہاں تک کہ اِس کے مشورے کے بغیر ہی اِس کا نکاح کر دیا جاتا تھا۔یونانیوں

کے بعد جس قوم کو دنیا میں عروج نصیب ہوا وہ اہل روم تھے۔ رومی لوگ وحشت کی تاریکی سے نکل کر جب تاریخ کے روشن منظر پر نمودار ہوتے ہیں تو ان کے نظام معاشرت کا نقشہ یہ ہوتا ہے کہ مرد اپنے خاندان کا سردار ہوتا ہے۔ اس کو اپنے بیوی بچوں پر پورے حقوق مالکانہ حاصل ہوتے ہیں بلکہ بعض حالات میں وہ بیوی کو قتل کر دینے کا بھی مجاز ہے۔ جب تمدن وتہذیب میں رومیوں کا قدم ذرا آگے بڑھا تو اگرچہ قدیم خاندانی نظام بدستور قائم رہا مگر عملاً اس کی سختیوں میں کچھ کمی واقع ہوئی اور ایک حد تک اعتدالی حالت پیدا ہوتی گئی۔ رومی جمہوریت کے زمانہ عروج میں عورت کو خاندانی نظام میں کس کر رکھا گیا۔ عصمت وعفت عورت کے معاملہ میں ایک قیمتی چیز تھی اور اس کو معیار شرافت سمجھا جاتا تھا۔ اخلاق کا معیار بھی کافی بلند تھا۔ عورت اور مرد کے تعلق کی شریفانہ اور جائز صورت نکاح کے سوا کوئی نہ تھی۔ تہذیب وتمدن کی ترقی کے ساتھ ساتھ رومیوں کا نظریہ عورت کے بارے میں بدلتا چلا گیا۔ اور رفتہ رفتہ نکاح وطلاق کے قوانین اور خاندانی نظام میں اتنا تغیر رونما ہوا کہ صورت حال سابق حالات کے بالکل برعکس ہو گئی۔ ازدواجی تعلق کی ذمہ داریوں کو بہت ہلکا سمجھا جانے لگا۔ قانون نے عورت کو باپ اور شوہر کے اقتدار سے بالکل آزاد کر دیا طلاق کی آسانیاں اس قدر بڑھیں کہ بات بات پر ازواج کا رشتہ توڑا جاتا عورت یکے بعد دیگرے کئی کئی شادیاں کرتی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنی عمر کا حساب شوہروں کی تعداد سے لگاتیں۔ اِس دور میں عورت اور مرد کے غیر نکاحی تعلق کو معیوب سمجھنے کا خیال بھی دلوں سے نکلتا چلا گیا۔ بڑے بڑے معلمین اخلاق بھی عورت سے ناجائز تعلقات کو ایک معمولی چیز سمجھتے تھے۔ اخلاق اور معاشرت کے بند جب اتنے ڈھیلے ہو گئے تو روم میں شہوانیت، عریانی اور فحاشی کا سیلاب پھوٹ پڑا۔ عورتوں کی ننگی اور نہایت فحش تصویریں ہر گھر کی زینت کیلئے ضروری سمجھی جاتی تھیں۔ نفسی خواہشات سے اِس قدر مغلوب ہو جانے کے بعد روم کا قصرِ عظمت ایسا پیوند خاک ہوا کہ پھر اِس کی ایک اینٹ بھی اپنی جگہ قائم نہ رہ سکی۔

مغربی دُنیا کے اِس اخلاقی انحطاط کے علاج کرنے کیلئے مسیحیت پہنچی اول اول اس نے بڑی اچھی خدمات انجام دیں۔ فحاشی کا انسداد کیا۔ عریانی کو زندگی کے ہر شعبہ سے نکالا۔ طوائف اور رقاصہ عورتوں کو ان کے پیشہ سے توبہ کرائی اور پاکیزہ اخلاق تصورات لوگوں میں پیدا کئے۔ مگر عورت اور صنفی تعلقات کے بارے میں آبائے شیخین جو نظریات رکھتے تھے وہ انتہاپسندی کی بھی انتہا تھے اور ساتھ ہی فطرتِ انسانی کے خلاف جنگ بھی۔ ان کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ

عورت گناہ کی ماں ہے اور بدی کی جڑ۔مرد کیلئے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے۔تمام انسانی مصائب کا آغاز اِسی سے ہوا ہے۔اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کیلئے کافی ہے۔شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔خدا کے قانون کوتوڑنے والی اور مرد کو غارت کرنے والی عورت ہی ہے۔کرائی سوسٹم (Chrysostum) جو مسیحیت کے اولیاء بکار میں شمار ہوتے ہیں۔عورت کے حق میں کہتا ہے عورت ایک ناگزیر برائی ہے اور مرغوب آفت ایک خانگی خطرہ ایک غارت گر دبرائی اور ایک آراستہ مصیبت ہے۔ان کا دوسرا نظریہ یہ تھا کہ عورت اور مرد کا صنفی تعلق بجائے خود ایک نجاست اور قابل اعتراض چیز ہے خواہ وہ نکاح کی صورت ہی میں کیوں نہ ہو۔اخلاق کا یہ راہبانہ تصور پہلے سے اشراقی فلسفہ کے زیر اثر مغرب میں جڑ پکڑ رہا تھا۔مسیحیت نے آکر اسے حد کو پہنچا دیا۔لوگ ازواج سے پرہیز کرنے کو تقویٰ، تقدس اور بلندی اخلاق کی علامت سمجھنے لگے۔پاک مذہبی زندگی بسر کرنے کیلئے یہ ضروری ہو گیا کہ یا تو آدمی نکاح ہی نہ کرے یا اگر نکاح کرے تو میاں بیوی ایک دوسرے سے زن وشوہر کا تعلق نہ رکھیں۔اِس رہبانہ تصور نے تمام خاندانی علائق حتیٰ کہ ماں اور بیٹے تک کے تعلق میں تلخی پیدا کر دی اور ہر وہ رشتہ گندگی اور گناہ بن کر رہ گیا جو نکاح کا نتیجہ ہو۔اِن دونوں نظریات نے نہ صرف اخلاق اور معاشرت میں عورت کی حیثیت حد سے زیادہ گرا دی بلکہ تمدنی قوانین کو بھی اس قدر متاثر کیا کہ ایک طرف ازدواجی زندگی مردوں اور عورتوں کیلئے مصیبت بن کر رہ گئی اور دوسری طرف سوسائٹی میں عورت کا مرتبہ ہر حیثیت سے پست ہو گیا۔مسیحی شریعت کے زیر اثر جاری ہونے والے قوانین نے عورت کو بالکل بے بس کر کے مردوں کے قابو میں دے دیا۔طلاق اور خلع کی سرے سے اجازت ہی نہ تھی۔زوجین میں خواہ کتنی ہی ناموافقت ہو باہمی تعلقات کی خرابی سے خواہ گھر جہنم بن گیا ہو۔مذہب اور قانون دونوں ان کو زبردستی ایک دوسرے کے ساتھ بندھے رہنے پر مجبور کرتے تھے شوہر کے مرنے کی صورت میں بیوی کیلئے اور بیوی کے مرنے کی صورت میں شوہر کیلئے نکاح ثانی کرنے کو سخت معیوب بلکہ گناہ سمجھا جاتا تھا۔

ہندوستان کا قدیم ترین مذہب جینی جین دھرم بھی مرد اور عورت میں عدم مساوات کی تعلیم دیتا ہے۔ڈگم بیرجین (Dagamberjen) فرقہ عورتوں کی نجات کا بھی قائل نہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عورتیں موکش (نجات) حاصل نہیں کر سکتیں جب تک وہ مرد کا قالب اختیار نہ کر لیں بدھ دھرم جو کوئی مذہب نہیں بلکہ فلسفہ اخلاق ہے وہ بھی عورت کو بدی کا سرچشمہ قرار دیتا ہے۔

ویدک دھرم جو ایک فطری عالمگیر مذہب ہے اِس کی مشہور مذہبی کتاب منوسمرتی میں صاف لکھا ہے کہ عورت پر کوئی عبادت اور برت لازم نہیں۔ خاوند کی سیوا (خدمت) کرنا ہی اس کا پرم دھرم ہے۔ عورت کو لازم ہے کہ وہ شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہ کرے بلکہ ساری عمر بیوہ رہے اور بہت کم غذا پر ہی اپنی زندگی کے بقیہ ایام پورے کرے۔

اسلام سے پہلے ایران دنیا کی دوسری بڑی سلطنت تھی وہاں شوہر کو خصم یعنی عورت کا دشمن اور عورت کو زن کہا جاتا تھا عورت کی حیثیت غلام کی سی تھی جب شوہر کا جی چاہتا تو کسی دوسرے شخص کو اپنی عورت دے دیتا۔ اب دوسرے شخص سے جو اولاد ہوتی وہ پہلے شخص کی سمجھی جاتی۔ حقیقی بہن اور بیٹی تک سے نکاح کر لیا جاتا تھا۔ مصر، چین اور تہذیب انسانی کے دوسرے مرکزوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی تھا۔

بلادِ عرب کے حالات بھی یورپ اور دوسری تہذیبوں سے مختلف نہ تھے۔ یہاں بھی عورت کی حیثیت مال اور چوپاؤں کی سی تھی جانوروں کی طرح اکثر جہیز میں دے دی جاتی تھی۔ مرد اِسے لذت کشی کا آلہ تصور کرتا تھا۔ تعداد ازدواج کی کوئی حد نہ تھی مرد جس قدر چاہتا اپنے لئے عورتیں جمع کر لیتا۔ غرض عورت ہمیشہ سے اور ہر تہذیب میں ایک حقیر اور بے جان چیز سمجھی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ جاہل عرب بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اور اس پر کسی قسم کی عار نہ محسوس کرتے تھے۔

جب عورت پر ہر طرف سے ظلم وستم کی آندھیاں چلنے لگیں اور اس پر شقاوت و بربریت کے پہاڑ ٹوٹنے لگے تو اس وقت رحمت خداوندی جوش میں آئی فاران کی پہاڑیوں سے اسلام کا نور چمکا جس نے نہ صرف عرب بلکہ پورے عالم میں پھیلے ہوئے جہالت کے اندھیروں اور ظلمت کدوں کو منور کر دیا۔ افراط وتفریط کی جگہ توسط و اعتدال قائم کیا۔ ظلم وستم کو رحم و کرم سے مٹایا اور نہ صرف انسان بلکہ حیوان تک کا حق متعین کیا تو عورت کی سوئی ہوئی قسمت بھی جاگ اُٹھی۔ جور وستم کی چکیوں میں پسنے والی صنف نازک کو اسلام نے اپنے دامن حمایت کے سایہ میں لے لیا۔ بدکاری اور بے آبروئی کے جتنے چشمے تھے سب ایک ایک کر کے بند کر دیئے ازدواجی تعلقات کے آئین و قوانین مقرر کر کے جنسی میلانات کو اعتدال اور ضابطے کا پابند بنا دیا۔ عائلی زندگی کو خوشگوار ماحول کے قالب میں ڈھالا اور عورت کو بجائے لعنت کے رحمت وسکینت کا مظہر ٹھہرایا۔ یہ بات اسلام کی خصوصیات میں سے ہے کہ وہ اپنے قانون کی حکمت پر بھی خود ہی روشنی ڈالتا ہے معاشرت میں عورت اور مرد کے تعلقات کو منضبط کرنے کیلئے جو قانون اسلام میں پایا جاتا ہے اس کے بارے

میں خود اسلام نے ہی ہم کو بتایا کہ اِس قانون کی بنیاد کن اصول حکمت اور کن حقائق فطرت پر ہے۔اس سلسلہ میں سب سے پہلی حقیقت جس کی پردہ کشائی کی گئی وہ یہ ہے۔

**ومن کل شی خلقنا زوجین** (زاریات)

اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کئے۔یعنی کائنات کی یہ ساری مشین قاعدہ زوجیت پر بنائی گئی ہے۔اور اِس مشین کے تمام کل پرزے جوڑوں (Pairs) کی شکل میں بنائے گئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے جس فارمولے پر تمام کائنات کی تخلیق کی ہے اور جس طریقے کو اپنے کارخانے کے چلنے کا ذریعہ بنایا ہے وہ ہرگز ناپاک اور رذیل نہیں ہوسکتا۔بلکہ اپنی اصل کے اعتبار سے وہ پاک اور محترم ہے۔عورت اور مرد کا وجود محض ایک مادی وجود ہی نہیں ہے۔بلکہ وہ ایک حیوانی وجود بھی ہے اِس حیثیت سے ان کا زوج ہونا ناگزیر ہے۔دوسری جگہ قرآن کہتا ہے۔

**نساؤکم حرث لکم** (بقرہ) تمہاری عورتیں تمہاری کھتیاں ہیں۔اللہ تعالیٰ نے عورت اور مرد کو کھیتی اور کسان سے تشبیہ دی ہے کہ ان کے تعلق میں وہ پائیداری ہوتی ہے جو کسان اور اس کے کھیت میں ہوتی ہے جس طرح کھیت میں کسان کا کام محض بیج پھینک دینا ہی نہیں بلکہ اسے پانی دینا کھاد مہیا کرنا اور اس کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔اِسی طرح عورت بھی وہ زمین نہیں کہ جس میں ایک جانور چلتے پھرتے کوئی بیج پھینک دے اور وہ خودرو درخت اُگا دے بلکہ جب وہ بار آور ہوتی ہے تو اِس کا کسان اس کی پرورش اور رکھوالی کا پورا بار سنبھالے اور سب سے بڑی بات جس میں بے شمار حکمتیں پنہاں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن** (بقرہ) وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کیلئے لباس ہو۔یہ زوجیت کا بالاتر مقصد ہے یعنی ان کا تعلق محض شہوانی تعلق نہ ہو بلکہ محبت اور اُنس کا تعلق ہو دل کے لگاؤ اور روحوں کے اتصال کا تعلق ہو وہ ایک دوسرے کے رازدار اور شریک رنج و راحت ہوں ان کے درمیان ایسی معیت اور دائمی وابستگی ہو جیسی لباس اور جسم میں ہوتی ہے۔اور وہ ایک دوسرے کیلئے سرمایہ سکون و راحت ہوں۔یہ اسلام ہی ہے جس نے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا اور کسب مال کی ذمہ داری اِس کے شوہر پر ڈال دی اور اِس کو ایسے تمام فرائض سے سبکدوش کیا گیا جو بیرون خانہ کے اُمور سے تعلق رکھتے ہوں۔یہاں تک کہ اس پر نماز با جماعت اور مسجدوں کی حاضری بھی لازم نہیں جہاں تک نفس تعلیم و تربیت کا تعلق ہے اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان کوئی امتیاز نہیں رکھا ہے البتہ نوعیت میں فرق ضروری ہے۔اِسلامی نقطۂ نظر سے عورت کی صحیح تعلیم و تربیت وہ

ہے جو اس کو ایک بہترین بیوی، بہترین ماں اور بہترین گھر والی بنائے۔ مزید برآں وہ علوم بھی اس کیلئے ضروری ہیں جو انسان کو انسان بنانے والے اور اس کے اخلاق کو سنوارنے والے اور اس کی نظر کو وسیع کرنے والے ہوں۔

اِنسانی تمدن کی پوری تاریخ اِس پر گواہ ہے کہ عورت کو موجب عار سمجھا جاتا تھا اسے دنیا پر ذلت شرم اور گناہ کا وجود تصور کیا جاتا تھا بیٹی کی پیدائش باپ کیلئے سخت عیب اور موجب ننگ و عار تھی سسرالی رشتے ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ جہلا تو درکنار علماء اور پیشوایان مذہب تک میں مدتوں یہ سوال زیر بحث رہا کہ آیا عورت انسان بھی ہے یا نہیں اور خدا نے اس کو روح بھی بخشی ہے کہ نہیں۔ صدیوں کی مظلومی و محکومی اور عالمگیر حقارت کے برتاؤ نے خود عورت کے ذہن سے بھی عزت نفس کا احساس مٹا دیا تھا۔ وہ خود بھی بھول گئی تھی کہ دنیا میں وہ کوئی حق لے کر پیدا ہوئی ہے اِس کیلئے کوئی عزت کا مقام بھی ہے کہ نہیں۔ غلامانہ ذہنیت اِس میں اِس حد تک پیدا کر دی گئی تھی کہ وہ فخر سے اپنے آپ کو شوہر کی "داسی" کہلاتی تھی۔ پتی ورتا اِس کا دھرم تھا یعنی شوہر ہی اس کا معبود اور دیوتا ہے۔ اِس ماحول میں جس نے نہ صرف قانونی اور عملی حیثیت بلکہ ذہنی حیثیت سے بھی ایک عظیم انقلاب برپا کیا وہ اسلام ہی ہے۔ اسلام نے ہی عورت اور مرد دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا۔ عورت کی عزت اور حق کا تخیل انسان کے دماغ میں پیدا کیا۔ آج حقوقِ نسواں اور بیداری اناث کے جو الفاظ ہم سن رہے ہیں یہ سب اِسی انقلاب کی صدائے بازگشت ہے جو محمد عربی کی زبان سے بلند ہوئی۔ جنہوں نے دُنیا والوں کو بتایا کہ عورت بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا مرد ہے اور خدا کی نگاہ میں عورت اور مرد کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ روحانی ترقی کے جو درجات مرد کو مل سکتے ہیں وہی عورت کیلئے بھی کھلے ہیں مرد اگر ابراہیم بن ادہمؒ بن سکتا ہے تو عورت کو بھی رابعہ بصریؒ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ پھر وہ محمد ﷺ ہی کی ذات بابرکات ہے جس نے ذلت اور عار کے مقام سے اُٹھا کر عورت کو عزت کے مقام پر پہنچایا۔

وہ حضور اکرم ﷺ ہی ہیں جنہوں نے باپ کو بتایا کہ تیرے لئے بیٹی کا وجود ننگ و عار نہیں ہے بلکہ اِس کی پرورش اور حق رسانی تجھے جنت کا مستحق بناتی ہے۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ دنیا کی نعمتوں میں بہترین نعمت نیک بیوی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ اچھی طرح ان کی پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کیلئے دوزخ کی آڑ بن جاتی ہیں اور ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ مجھ پر حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ فرمایا تیری ماں کا اس

نے پوچھا پھر کون آپؐ نے فرمایا تیری ماں۔ اُس نے پوچھا پھر کون آپ نے فرمایا تیری ماں چوتھی دفعہ اس نے پوچھا پھر کون تو آپؐ نے فرمایا تیرا باپ۔

سرکارِ رسالت مآب ﷺ کی ذات میں عورتوں کو ایک ایسا رحیم و شفیق حامی اور ایسا زبردست محافظ مل گیا تھا کہ اگر ان پر ذرا سی بھی زیادتی ہوتی تو وہ شکایت لے کر بے تکلف حضورِ اکرم ﷺ کے پاس دوڑ جاتی تھیں اور مرد اِس بات سے ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی بیویوں کو آنحضرت ﷺ تک شکایت لے جانے کا موقع نہ مل جائے اِس اخلاقی اور قانونی اصلاح کا نتیجہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی میں عورت کو وہ بلند حیثیت حاصل ہوئی جس کی نظیر دنیا کی کسی اور سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی۔ مسلمان عورت دنیا اور دین میں مادی۔ عقلی اور روحانی حیثیات سے عزت اور ترقی کے ان بلند سے بلند مدارج تک پہنچ سکتی ہے جس تک مرد پہنچ سکتا ہے اور اس کا عورت ہونا کسی مرتبہ میں بھی اِس کی راہ میں حائل نہیں ہوتا ہے۔ آج اِس اکیسویں صدی میں بھی دنیا اسلام سے بہت پیچھے ہے۔ افکارِ انسانی کا ارتقاء اب بھی اِس مقام تک نہیں پہنچ سکا جس پر اسلام پہنچا۔ مغرب نے عورت کو جو کچھ دیا ہے عورت کی حیثیت سے نہیں دیا بلکہ مرد بنا کر دیا ہے۔ عورت درحقیقت اب بھی اس کی نگاہ میں ویسی ہی ذلیل ہے جیسی پرانی دورِ جاہلیت میں تھی۔ گھر کی ملکہ شوہر کی بیوی بچوں کی ماں ایک اصلی اور حقیقی عورت کیلئے اب بھی کوئی عزت نہیں عزت اگر ہے تو اس مرد مونث یا زنِ مذکر کے لئے جو جسمانی حیثیت سے تو عورت مگر دماغی اور ذہنی حیثیت سے مرد ہو اور تمدن و معاشرت میں مرد ہی کے سے کام کرے جس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ مغربی عورت مردانہ لباس فخر کے ساتھ پہنتی ہے۔ حالانکہ کوئی بھی مرد زنانہ لباس پہن کر برسرِ عام آنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بیوی بننا مغربی عورتوں کے نزدیک اب بھی موجب ذلت ہے مردانہ کام کرنے میں عورتیں عزت محسوس کرتی ہیں خانہ داری اور پرورش اطفال جیسے خالص زنانہ کاموں میں ان کیلئے کوئی دلچسپی نہیں۔ پس بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مغرب نے عورت کو بحیثیت عورت کے کوئی عزت نہیں دی ہے یہ سارا کام اسلام اور صرف اسلام نے کیا ہے کہ عورت کو تمدن اور معاشرت میں اس کے فطری مقام پر رکھ کر عزت اور شرف کا مرتبہ عطا کیا اور صحیح معنوں انوثت کے درجہ کو بلند کیا عورت کو بجائے لعنت کے رحمت و سکینت کا مظہر ٹھہرایا اِس کے حقوق متعین کئے اور اس کی تعلیم و تربیت کی ترغیب دی۔

# قرآن کریم میں الفاظ کامعجزانہ انتخاب

انجینئر سلطان محمود بشیر (ستارہ امتیاز)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک کائناتی قانون یہ ارشادفرمایا ہے کہ اس نے ہر چیز جوڑوں میں پیدا فرمائی ہے۔سورۃ یٰسین کی آیت پرغور فرمائیے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَمِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَمِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ''سبحان ہے وہ ذات پاک جس نے ہر چیز کے جوڑے بنائے جو زمین سے اگتا ہے اور تمہارے اپنے درمیان اوران میں بھی جنہیں تم نہیں جانتے ہو''(36)36

آیت کے آخری بیان سے صاف ظاہر ہے کہ جوڑوں کے قانون سے کسی چیز کو استثناء حاصل نہیں۔حیران کن بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے خصوصی الفاظ میں بھی یہی قانون پایا جاتا ہے۔بیشک وَكُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰهُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ (12)36 اور ہر چیز کا پورا حساب امام المبین میں رکھا گیا ہے۔ذیل میں ہم ان میں سے کچھ پرمعنی قرآنی الفاظ کی تعداد اور ترتیب کے معجزانہ نظام پرغور کریں گے۔

(نوٹ مندرجہ ذیل تمام معلومات میں نے پروفیسر اے رشید سیال صاحب کے قرآن کریم کی انگریزی ترجمہ Poetic Stance of the Holy Quran سے اخذ کی ہیں۔یہ ترجمہ اکتوبر 2006 میں مصنف نے USA سے پبلش کیا)۔(دوسرا حوالہ مصری ڈاکٹر مصری ڈاکٹر طارق ال سویدان۔اخوان المومنون۔مصر ہے جن کا کام بھی اس موضوع پر معتبر سمجھا جاتا ہے)۔

## دنیاوآخرت کے متعلق کل الفاظ

ہماری زندگی کیلئے دنیا اور آخرت دونوں ہی برابر ہیں۔حیرانی کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگر لفظ دنیا 115 مرتبہ آیا ہے تو لفظ آخرت بھی 115 مرتبہ ہی آیا ہے۔اسی لئے ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں ربّنا اٰتنا فی الدّنیا حسنة وّفی الآخرة حسنة ''اے اللہ ہماری دنیا بھی احسن ہو اور ہماری آخرت بھی''۔اس لئے کہ ہم نے آخرت اسی دنیا سے کما کر جانا ہے۔

## سات آسمان

جہاں تک آسمانوں کا تعلق ہے قرآن میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات آسمان (سبع السمٰوٰت) بنائے ہیں ۔قابل غور بات یہ ہے کہ سبع السمٰوٰت والی آیات بھی سات ہی دفعہ سارے قرآن میں آتی ہیں ۔

## دن، مہینے اور سال کا حساب

ابھی تک آپ شاید یہ کہیں کہ ابھی تک دی گئی الفاظ کی تکرار تو کوئی خاص بات نہیں ۔لیکن آگے سنیں ۔لفظ ''یوم'' جس کا معنی دن ہے کلام پاک میں 365 مرتبہ آیا ہے ۔آپ کو معلوم ہی ہے ایک شمسی سال میں 365 دن ہوتے ہیں ۔اپنی جمع کی شکل یعنی ''یومین'' میں یہ 30 مرتبہ آیا ہے جو ایک مہینہ کے متناسب (Average) دن ہیں ۔لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی لفظ شہر جس کا مطلب مہینہ ہے ۔وہ بھی پورے قرآن کریم میں 12 ہی مرتبہ استعمال ہوا ہے جو کہ ایک سال میں مہینوں کی تعداد ہے ۔کیا دن، مہینے اور سال کے متعلق الفاظ کو محمد مصطفیٰ ﷺ نے گن گن کر قرآن کریم میں فٹ کیا ہوگا کہ وہ کلینڈر کے مطابق ہوں؟

## مرد اور عورت کے متعلق الفاظ

ابھی بھی اگر کوئی شک ہے تو غور کریں کہ قرآن کریم کے مصنف نے مرد (الرجل الرجال) اور عورت (امراۃ) کے الفاظ بھی برابر برابر 23 مرتبہ استعمال کیے ۔یہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ جدید سائنس نے دریافت کیا ہے کہ ہر بچہ ماں کے انڈہ اور باپ کے جرثومہ سے 23 (تیئیس) اور 23 (تیئیس) کروموسومز (Chromosomes) لے کر پیدا ہوتا ہے ۔یعنی قرآن مجید کے مصنف نے جہاں مرد اور عورت کو بحثیت آدمیت برابر رکھا وہاں ان کے خلیات کی حد تک بھی برابری کے نظام کو قرآن کے اندر سمو دیا ۔(سبحان اللہ)

## جنت اور جہنم کے متعلق الفاظ

جنت اور جہنم دونوں میں کوئی ایک انسان کا آخری مقام ہے ۔حیران کن بات یہ ہے کہ ان دونوں کیلئے بھی الفاظ برابر یعنی دونوں 77، 77 دفعہ سارے قرآن میں استعمال ہوئے ہیں ۔

### ایمان اور کفر

لوگ اپنے اپنے ایمان کی بناء پر جنت میں جائیں گے اور کفر کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔عجیب بات یہ ہے کہ دونوں متضاد الفاظ پورے قرآن پاک میں 25،25 مرتبہ استعمال کئے گئے ہیں۔

### ابرار اور فجار کے الفاظ

لفظ ''ابرار'' جسکا مطلب نیک و کار ہے،اس کا الٹ ''فجار'' بدکردار کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ان کے استعمال میں بھی تناسب رکھا گیا ہے۔ابرار 6 مرتبہ آیا ہے اور فجار 3 مرتبہ۔ہم اس سے یہ مطلب لے سکتے ہیں کہ انسان کے اندر ابرار بننے کے امکانات فجار کی نسبت ڈبل ہیں لیکن افسوس کہ اکثر شیطان کے بہکاوے میں آکر بدکرداری کی طرف چلے جاتے ہیں۔لیکن رب العزت سے مایوس نہ ہوں۔اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔

### جزا اور مغفرت

سبحان اللہ کہ لفظ جزا جس کا مطلب بدلہ ہے 117 مرتبہ آیا ہے تو اسکے مقابلہ میں لفظ مغفرت جسکا مطلب معافی ہے،اس سے دوگنی مرتبہ یعنی 234 دفعہ استعمال کیا گیا ہے۔یہ بات اس بات کی بھی دعوت ہے کہ اعمال تو اچھے کریں لیکن اس سے کہیں زیادہ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگیں۔

### کچھ متضاد قوتوں کے بارے میں الفاظ کا استعمال

قرآن کریم کا یہ حیران کن الفاظ کا معجزانہ حسابی چناؤ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ اس کتاب میں اگر ملائکہ کا ذکر 68 دفعہ آیا ہے تو ان کے مخالف قوت شیطان کا نام بھی 68 دفعہ ہی لایا گیا ہے۔خیانت اور خباثت کے متعلق الفاظ بھی 16،16 دفعہ سارے قرآن میں رکھے گئے ہیں۔

اسی طرح شراب کے لفظ خمر اور اسکے اثر کیلئے لفظ سکاریٰ دونوں 6،6 دفعہ استعمال ہوئے

ہیں۔محبت اور اطاعت بھی دونوں ایک جوڑ ہیں۔یہ دونوں بھی کلام اللہ کے خالق نے 107،107 دفعہ استعمال فرمائے ہیں۔

شکر کا لفظ نعمت پر ممنون ہونے کے لیے استعمال ہوتا ہے،ناشکرے پر مصیبت آتی ہے دونوں لفظ شکر اور مصیبت 77،77 دفعہ استعمال ہوئے ہیں۔

### شمس اور نور

شمس یعنی سورج کو اللہ تعالیٰ نے روشنی کا منبع بنایا ہے یہ لفظ پورے قرآن کریم میں 33 مرتبہ استعمال کیا گیا ہے۔حیرانی کی بات یہ ہے کہ روشنی یعنی لفظ نور بھی 33 دفعہ ہی آیا ہے۔

### حیات اور موت

حیات اور موت انسان کے ساتھ لگی ہیں۔ایک مکمل جوڑا ہے۔حیران کن بات یہ ہے کہ کلام اللہ میں اگر حیات کیلئے قرآن الفاظ 145 دفعہ استعمال ہوئے ہیں تو موت کیلئے بھی الفاظ کا مجموعہ 145 دفعہ ہے۔145 میں کیا راز ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔

### بصیرت اور بصارت

انسان کو اللہ تعالیٰ نے بصیرت اور بصارت کی دونوں صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

سارے قرآن کریم میں ان دونوں کا ذکر بھی 148،148 مرتبہ ہوا ہے۔افسوس ہم پر کہ آنکھ کی بصارت پر زور تو دیتے ہیں لیکن دل کی بصیرت کی طرف توجہ تو کیا اسے دباتے رہتے ہیں۔

### آسانی (الیسر) اور مشکل (العسر)

آسانی کیلئے قرآنی لفظ ''الیسر'' اور مشکل کیلئے لفظ ''العسر'' ہے۔شاید اس لئے کہ جہاں مشکل ہے وہاں آسانی بھی ہے۔یہ دونوں لفظ بھی سارے قرآن پاک میں 36،36 مرتبہ دفعہ مستعمل ہوئے ہیں۔

### سلام اور طیب

شاید اس لئے کہ امن کا تعلق نیکی سے ہے،سارے قرآن کریم میں لفظ ''سلام'' 50 دفعہ استعمال ہوا ہے اور لفظ ''طیب'' بھی 50 دفعہ ہی آیا ہے۔

## جہاد اور مسلمین

اسلام کی روح جہاد ہے رب العالمین نے اپنی پوری کتاب میں اس لفظ کو 41 دفعہ استعمال فرمایا ہے سوچنے کی بات یہ ہے کہ لفظ مسلمین بھی 41 دفعہ ہی آیا ہے جو شاید یہ باور کراتا ہے کہ جہاد کے بغیر مسلمین ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔

یہ کچھ مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک بحر ذخار ہے جسکے اندر حکمت کے نئے نئے موتی چمک رہے ہیں۔ کوئی کتنا بڑا غوطہ خور ہے اتنا کچھ وہ پالے گا۔ لیکن کلام اللہ کے معجزات ختم نہیں ہوں گے۔ اس کا چیلنج اپنی جگہ پر برقرار ہے۔

**قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَاالْقُرْاٰنِ لَایَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْكَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا**

’’تم نہیں بتا دو کہ اگر تمام جن اور انسان اکٹھے ہو جائیں کہ ایک دوسرے کی مدد سے اس قرآن کی مثل ایک اور قرآن بنالیں تو ایسا کبھی بھی ممکن نہیں ہوگا‘‘۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت 88)

# پیارے رسول ﷺ کی پیاری زبان

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

اِسم کی قسمیں

گذشتہ سبق میں ہم نے اسم فاعل اور اسم مفعول کے بارے میں پڑھا تھا اور ان کے چھ چھ صیغے بھی بیان کئے تھے۔ اب ہم اسم کی مزید اقسام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

**اِسم فعِیل**

وہ اسم جو فعیل کے وزن پر آتے ہیں۔ یہ کبھی تو فاعل کے معنی دیتا ہے جیسے **سَمِیْعٌ** (سننے والا)، **عَلِیْمٌ** (جاننے والا)۔ اور کبھی مفعول کے معنی رکھتا ہے جیسے **قَتِیْلٌ** (قتل کیا ہوا)۔ **غَسِیْلٌ** (دھویا ہوا)۔

**اِسم تفضیل**

وہ اسم جو کسی ذات کی صفت دوسری ذات سے کم یا زیادہ بیان کرے۔ مثلاً **اطْوَلُ** (زیادہ لمبا) **اَضَرُّ** (زیادہ نقصان دینے والا)۔

مذکر کا صیغہ **اَفْعَلُ** کے وزن پر آتا ہے جیسے۔ **اَظْلَمُ، اَعْدَلُ، اَهْدٰی، اَعْلَمُ۔**

مونث کا صیغہ فُعْلٰی کے وزن پر آتا ہے جیسے۔ **صُغْرٰی، كُبْرٰی، عُظْمٰی۔**

**اِسم مکان**

وہ اسم جو کسی کام کرنے کی جگہ کو ظاہر کرے۔ اِس کے حسب ذیل تین وزن ہیں

☆ **مَفْعَلُ** کے وزن پر جیسے **مَكْتَبٌ** (لکھنے کی جگہ) **مَلْعَبٌ** (کھیلنے کی جگہ)

☆ **مَفْعِلُ** کے وزن پر جیسے **مَسْجِدٌ** (سجدہ کرنے کی جگہ) **مَجْلِسٌ** (بیٹھنے کی جگہ)

☆ **مَفْعَلَة** کے وزن پر جیسے **مَزْرَعَة** (زراعت کی جگہ) **مَدْرَسَة** (درس کی جگہ)

### اِسم زمان

وہ اسم جو کسی کام کے ہونے کا زمانہ ظاہر کرے۔

جیسے **مُوْلِدُ** (پیدائش کا دن) **مُوْعِدُ** (وعدہ کا دن)۔

### اِسم آلہ

جو کسی اوزار یا ہتھیار کا نام ظاہر کرے۔فعل مضارع سے علامت مضارع دور کر کے شروع میں م یعنی میم مکسور اور عین کلمہ پر زبر لگانے سے بنتا ہے۔جیسے **مِفْتَاحٌ** (چابی) **مِبْرَدٌ** (ریتی) **مِغْزَلٌ** (تکلا)،**مِرْوَحَةٌ** (پنکھا)۔

## اطلاع

گوجرانوالہ کے بھائی حاجی بشیر بٹ کے بڑے بھائی اور موضع سیخواں (ضلع گوجرانوالہ) کے بھائی محمد صدیق چوہدری صاحب کے جواں سال بیٹے،انتقال کر گئے ہیں۔

گوجرانوالہ کے بھائی محمد خالد (چاند) کی والدہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں ہیں۔

تمام برادران سے مرحومین کیلئے ایصال ثواب کی استدعا ہے

# عشق کائنات کے تمام جذبوں کا سردار

حافظ شہزاد احمد

اللہ تعالٰی نے ہر انسان کے دل میں اپنی محبت کا بیج رکھا ہے۔ محبت کہتے ہیں طبیعت کا ایسی چیز کی طرف میلان ہونا جس سے لذت حاصل ہو۔ اگر یہی میلان زیادہ ہو جاتا ہے تو اس جذبے کو عشق کہتے ہیں۔ کیونکہ دین اسلام آفاقی دین ہے اور محبت کا جذبہ بھی آفاقی ہوتا ہے۔ اس لئے جس انسان کے دل میں کسی کی محبت ہو اس کیلئے اپنے محبوب کی ہر بات ماننا آسان ہوتا ہے۔ ایسے ہی جسکے دل میں اللہ تعالٰی کی محبت ہوگی اس کیلئے اللہ کا ہر حکم ماننا آسان ہو جاتا ہے۔ بغیر محبت کے اطاعت خداوندی کا کوئی سرور نہیں ہوتا۔ انسان عبادات کو بوجھ سمجھ کر کرتا ہے۔ زندگی کے روزمرہ کے معاملات بے دلی سے سرانجام دیتا ہے۔ لوگوں سے میل جول میں خلوص نہیں ہوتا بلکہ مفاد پرستی ہوتی ہے۔ اگر دل میں محبت نہ ہوگی تو نفرت ہوگی۔ تنقید ہوگی۔ غرض محبت سے مشکل سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کے دل میں محبت کا جذبہ نکال دیا جائے تو حیوانیت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرح و دین بتکدہ تصورات

محبت کے بارے میں اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔

**وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔**(بقرہ۔165)

ترجمہ:۔ اور ایمان والوں کو اللہ تعالٰی سے شدید محبت ہوتی ہے۔

حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ حضورﷺ نے محبت کے حصول کیلئے یہ دعا فرمائی۔

**اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدْ**(ترمذی شریف)

ترجمہ:۔ اے اللہ اپنی محبت میرے اندر میری جان سے بھی زیادہ اور میرے اہل وعیال سے بھی زیادہ اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عطا فرما دیں۔

محبت ایسا جذبہ ہے۔ جب کسی کے اندر پیدا ہوتا ہے تو اسے اپنے محبوب کے وصل کیلئے بے

چین کر دیتا ہے۔اس کی ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ انسان کے دل سے اپنے محبوب کے سوا ہر چیز ختم ہو جاتی ہے۔پھر انسان اپنے محبوب کی خاطر ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔عشق و محبت انسانی زندگی کی تلخیوں کو شرینی میں بدل دیتے ہیں۔

از محبت تلخہا شیریں شود ۔ وز محبت مسہا زریں شود

از محبت دردہا صافی شود ۔ وز محبت دردہا شافی شود

ترجمہ: محبت سے کڑوے میٹھے بن جاتے ہیں اور محبت سے چاندی سونا بن جاتی ہے۔محبت سے درد زائل ہو جاتے ہیں۔محبت سے بیماری شفا میں بدل جاتی ہے۔

بدلتے حالات کے پیش نظر عاشق کی کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں۔

1۔

ہجر کی حالت میں عاشق کا دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔اسکو کسی طرح بھی آرام نہیں آتا۔جب اُداسی غالب ہوتی ہے تو عاشق کیلئے رونے دھونے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

ساری چمک دمک تو انہی موتیوں سے ہے

آنسو نہ ہوں تو عشق میں کچھ آبرو نہیں

عاشق دا کم رونا دھونا تے بن رون نئیں منظوری

دل روئے چاہے اکھیاں روون تے وچ عشق دے رون ضروری

کئی تے روندے دید دی خاطر تے کئی روندے وچ حضوری

تے اعظم عشق وچ رونا پینڈا چاہے وصل ہووے چاہے دوری

2۔ عاشق کے دل میں اپنے محبوب کی یاد اور آنکھوں میں تصور رہتا ہے۔اس لئے اسکا دل اور آنکھیں بیقرار رہتی ہیں۔

**خیالک فی عینی وذکرک فی فمی و مثواک فی قلبی فاین تغیب o**

ترجمہ:۔(اے محبوب) تیرا تصور میری آنکھوں میں اور تیرا ذکر میرے منہ میں اور تیرا ٹھکانہ میرے دل میں ہے(اے محبوب) تو کہاں غائب ہے۔

3۔ عاشق تو محبوب کی طرف سے دیے گئے غم کو بھی خوشی سے زیادہ سمجھتا ہے۔جتنی بھی محبوب کی طرف سے بے رُخی ہوتی ہے۔اتنا ہی اس کا جنون عشق بڑھتا ہے۔

تیرا غم بھی مجھ کو عزیز ہے
کہ وہ تیری دی ہوئی چیز ہے

4۔ عاشق کے سامنے اگر کوئی اس کے محبوب کا نام لے تو اس کا دل مچل جاتا ہے۔

اک دم بھی محبت چھپ نہ سکی
جب تیرا کسی نے نام لیا

5۔ جب عاشق پر اپنے محبوب کی نظر عنایت ہوتی ہے تو اس کے دل میں بہار آ جاتی ہے۔

یہ خزاں کی فصل کیا ہے فقط ان کی چشم پوشی
وہ اگر نگاہ کر دے تو ابھی بہار آئے

6۔ عاشق کو صبح شام محبوب کی یاد تڑپاتی ہے۔ وہ کچھ کھا رہا ہے یا پی رہا ہے تو اسی کی یاد میں۔ دوستوں کی مجلس میں بیٹھا ہے تو اُسی کی یاد میں۔ یہاں تک کہ اسکا ہر سانس اسی یاد میں گزرتا ہے۔ اور اگر اُسے محبوب کی طرف سے ملاقات کا پیغام ملے تو وہ سر اور آنکھوں کے بل جانے کو تیار ہو جاتا ہے۔

**واللّٰہ ما طلعت شمس ولا غربت الا وانت فی قلبی ووسواسی**

ترجمہ:۔ (اے محبوب) اللہ کی قسم نہ سورج نکلا اور نہ غروب ہوا مگر اس حال میں کہ تو ہی میرے دل اور خیالوں میں تھا۔

**ولا جلست الی قوم احد ثھم الا وانت حدیثی بین جلاسی۔**

ترجمہ:۔ (اے محبوب) میں کسی مجلس میں گفتگو کیلئے نہ بیٹھا مگر اس حال میں کہ اہل مجلس میں تو ہی میری گفتگو تھا۔

**ولا ذکرتک محذونا ولا طوبا الا وحبک مقرون بانفاسی۔**

ترجمہ:۔ (اے محبوب) میں نے تجھے غمی یا خوشی میں یاد نہ کیا مگر اس حال میں کہ تیری ہی محبت میری سانسوں میں ملی ہوئی تھی۔

**ولا ھممت بشرب الماء من عطش الا رایت خیالا منک فی الکاس**

ترجمہ:۔ (اے محبوب) میں نے پیاس سے پانی پینے کا اِرادہ نہ کیا مگر اس حال میں کہ تیرا ہی خیال پیالے میں دیکھا۔

**فلو قدرت علی الاتیان زرتکم سحبا علی الوجه اورمشیا علی الداس۔**

ترجمہ:۔(اے محبوب) اگر میں آنے کی طاقت رکھتا تو چہرے کے بل گھسٹ کر یا سر کے بل چل کر تیری ملاقات کو آتا۔

(7) عشق ایک ایسی شراب ہے۔جس کے جام پی کر نہ تو عاشق سیر ہوتا ہے اور نہ ہی شراب ختم ہوتی ہے۔اس لئے وہ جتنا بھی اپنے محبوب سے ملتا ہے۔اسکی تشنگی پوری نہیں ہوتی۔وہ ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے محبوب سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔اُسکی یہی تمنا ہوتی ہے کہ محبوب ہر وقت اُس کے پاس ہی رہے۔

یہ محبت کا تقاضا ہے کہ احساس کی موت
تو ملا پر نہ تیرے ملنے کا ارمان گیا

(8) عاشق کیلئے وصل یار سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہوتی۔وصل کے سوا ہر چیز فضول اور بے معنی نظر آتی ہے۔دنیا کی کوئی چیز اس کا دل نہیں لبھاتی۔

اس قدر پیار سے اے جان جہاں رکھا ہے
دل کے رُخسار پر اس وقت تیری یاد نے ہاتھ
یوں گماں ہوتا ہے اگرچہ ہے ابھی صبح فراق
ڈھل گیا ہجر کا دن آ بھی چکی وصل کی رات

(9) عاشق کیلئے محبوب کے جمال کا ہر روز نیا جذبہ اور نیا انداز ہوتا ہے۔نہ محبوب کے حسن و جمال کی کوئی انتہا ہوتی ہے اور نہ عاشق کے عشق کی کوئی انتہا ہوتی ہے۔

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جاں وی توں
میڈا کعبہ، قبلہ، مسجد، منبر، مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکوٰتاں، صوم صلوٰۃ، اذان وی توں

میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونڑاں من موہن جانان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا میڈا تکیہ مان تران وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا شرم وی توں میڈا شان وی توں
میڈا دکھ سکھ رون کھلن وی توں
میڈا درد وی توں درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈے سولاں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں
میڈے ٹھنڈڑے ساہ تے مونجھ منجاری
ہنجواں دے طوفان وی توں
میڈی مہندی کجل مساگ وی توں
میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
میڈا بادل برکھا کھمڑیاں گاجاں
میڈی بارش تے باران وی توں
جے یار فرید قبول کرے سرکار وی توں سلطان وی توں

(10) اگر عاشق کو اس کا محبوب ہمیشہ کیلئے مل بھی جائے تو پھر بھی اِسکی تشنگی پوری نہیں ہوتی بلکہ وہ پکار اُٹھتا ہے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدی تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

ترجمہ:۔ میں تو ہو جاؤں اور تو میں ہو جائے۔ میں بدن بن جاؤں تو جان بن جائے۔ تا کہ اسکے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ تو اور ہے اور میں اور ہوں۔

عاشق اپنے صبح و شام اِسی طرح کی کیفیات میں گزارتا ہے۔اور اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔اور اسی کشمکش میں زندگی گزرتی جاتی ہے۔

ہے شوق و ضبط شوق میں دن رات کشمکش
دل مجھ کو اور میں دل کو پریشان کیے ہوئے

مندرجہ بالا تحریر میں ہم نے عشق کی اہمیت کے بارے میں بات کی ہے مگر اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے فرمایا ہے کہ طریقت کی بے شمار منزلیں طے کر کے عرفان ذات باری تعالیٰ تک پہنچنے کیلئے صرف دو راستے ہیں۔

(1) عشق کا راستہ۔ جو جذب کہلاتا ہے۔
(2) عبادت و تقویٰ کا راستہ۔ جو سلوک کہلاتا ہے۔
(آجکل دونوں طریقوں کیلئے لفظ سلوک ہی استعمال ہوتا ہے)

جذب سے انسان پر ایک ایسا نشہ طاری ہوتا ہے۔اور ایسی بے خودی طاری ہوتی ہے۔بعض اوقات گھنٹوں اپنے وجود کا ہوش بھی نہیں رہتا۔مگر سلوک کے راستے میں نہ نشہ ہوتا ہے۔نہ بے خودی۔

جذب کے راستے میں انسان چند ماہ یا چند سال میں گوہر مقصود کو پالیتا ہے۔مگر سلوک کے راستے سے انسان مدت دراز کے بعد اپنے مقصود تک پہنچتا ہے۔جذب کے راستے کو راہ قلندری بھی کہتے ہیں۔(اس سے یہ بات ہرگز نہ سمجھنا کہ جذب میں شریعت اور نماز روزہ لازم نہیں ہوتا)۔اس لئے آسان ترین راستہ یہی ہے کہ انسان شریعت کے راستے پر عشق کے براق کے ذریعے سفر کرے۔

جو حضرات جذب کے طریقے سے سلوک طے کرواتے ہیں۔تو ان کی صحبت سے ہی سالک کے دل میں عشق کی چنگاری بھڑک اُٹھتی ہے۔یہ حضرات حقیقت میں عشق کی دوکانیں ہوتی ہیں۔انہی حضرات کی صحبت میں رہ کر سالک کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک اُٹھتی ہے۔جس کی وجہ سے سالک کو مقصود حیات مل جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنا عشق عطا فرمائیں۔(آمین)

# حضرت نعیمؓ بن مسعود اشجعی

طالب الہاشمی

غزوہ خندق (۵ ہجری) میں عرب کے تمام دشمنان اسلام نے متحد ہوکر مدینہ منورہ پر یلغار کردی تھی۔اور اہل حق کواپنے دفاع کے لیے خندق کھودنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔مزید ستم یہ ہوا کہ مدینہ کے اندر یہودی بنی قریظہ مارآستین بننے پر تُل گئے تھے۔اس سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کرر کھا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف کسی لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے لیکن غزوہ احزاب کے موقع پر وہ اپنے عہدو پیان سے منحرف ہوگئے اوراعدائے اسلام سے مل کر منصوبہ بنایا کہ باہر سے وہ حملہ آورہوں اورشہر کے اندر سے بنوقریظہ مسلمانوں کی پشت میں خنجر گھونپیں گے۔اہل حق کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا۔لیکن انہوں نے بڑے عزم اور حوصلے سے کام لیا۔جوایک طرف تو وہ حملہ آوروں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور دوسری طرف بنوقریظہ کی طرف سے کسی امکانی شرارت کا سدباب کرنے کے لیے دوسوجاں باز مختص کردیئے۔محاصرے کے دوران میں کفار نے کئی بار خندق عبور کرکے شہر کے اندر گھسنے کی کوشش کی لیکن مسلمان بہادروں نے ان کا منہ پھیر دیا۔بہرصورت رحمت عالمﷺ کوکفار کے شیطانی جمگھٹے اوربنوقریظہ کی غداری سے بہت تشویش تھی۔اسی پرآشوب زمانے کا ذکر ہے کہ عشاءاورمغرب کے درمیان ایک بدوی سردار کسی نہ کسی ترکیب سے بارگاہ رسالتؐ میں پہنچ گئے۔ حضورؐاس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔سلام پھیرا تو بدوی سردار پر نظر پڑی۔وہ صورت آشنا نکلا۔ پوچھا،اس وقت کیسے آنا ہوا۔بدوی سردار نے عرض کی:۔

’’اے محمد(ﷺ) میں خدائے واحد پرایمان لاتا ہوں اورآپؐ کی رسالت کی تصدیق کرتا ہوں مجھے اپنے حلقہ بگوشوں میں شامل کرلیجئے۔‘‘

اس کڑے وقت میں بدوی سردار کے قبول اسلام پر حضورؐ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا۔اب بدوی سردار نے عرض کیا:۔

’’یارسول اللہﷺ اب تک قریش اور بنوقریظہ سے میری دوستی تھی اور کوئی میرے قبول

اسلام سے آگاہ نہیں ہے۔اس لڑائی کے سلسلے میں میرے لائق کوئی خدمت ہوتو ارشادفرمایئے، خدائے لایزال کی قسم میں اسے ضرور انجام دوں گا۔"

سرورِعالم ﷺ نے فرمایا: "قبائل کے اس اجتماع اور یہودبنی قریظہ کے ساتھ ان کے گٹھ جوڑ کا کوئی تدارک کر سکتے ہوتو کرو۔"

بدوی سردار نے عرض کیا: "یارسول اللہؐ یہ کام آپؐ مجھ پر چھوڑ دیں۔آپؐ دیکھیں گے کہ یہ کس طرح منتشر ہوتے ہیں۔"

یہ بدوی سردار جنھوں نے مسلمانوں پرانتہائی مصیبت کے زمانے میں لوائے توحید کوتھاما اور پھر اہل حق کو خطرے سے نکالنے کے لیے ایک بہت بڑا کام اپنے ذمہ لیا۔حضرت نعیمؓ بن مسعود اشجعی تھے۔

حضرت ابوسلمہ نعیمؓ بن مسعود کا تعلق غطفان کے خاندان اشجع سے تھا۔سلسلہ نسب یہ ہے: نعیمؓ بن مسعود بن عامر بن انیف بن ثعلبہ بن قنفذ بن حلاوہ بن سبیع بن بکر بن اشجع بن ریث بن غطفان۔

حضرت نعیمؓ بن مسعود کا شمار اپنے قبیلہ کے سربرآوردہ لوگوں میں ہوتا تھا وہ بڑے زیرک اور معاملہ فہم آدمی تھے اور بنواشجع ان کو بہت مانتے تھے۔ان کے اثر ورسوخ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک طرف قریش مکہ ان سے دوستی کا دم بھرتے تھے اور دوسری طرف یہود مدینہ سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے۔حضرت نعیمؓ سرورِعالم ﷺ کے مدت سے شناسا تھے۔اور آپؐ کی دعوت سے بھی آشنا اور متاثر تھے لیکن معلوم نہیں کیا اسباب تھے کہ ان جیسا دانا آدمی غزوہ احزاب تک اپنا آبائی مذہب ترک نہ کرسکا غزوہ احزاب میں وہ اپنے قبیلہ کے ساتھ حملہ آور لشکر میں شامل تھے۔مدینہ منورہ کے محاصرہ کے دوران میں ایک دن ان کے ضمیر نے ملامت کی کہ تو محمدؐ اور ان کے دین کو برحق سمجھتا ہے لیکن پھر بھی مشرکین کے ساتھ مل کر دینِ حق کے نام لیواؤں کو تباہ وبرباد کرنے کے درپے ہے،یہ جوانمردی نہیں۔چنانچہ ایک رات کو چپ چاپ حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور نعمت اسلام سے بہرہ یاب ہوکر اعدائے حق کے جمِ غفیر کو منتشر کرنے کا بیڑا اٹھالیا۔یہ

کام بڑا دشوار اور خطرناک تھا لیکن حضرت نعیمؓ کو اپنے آپ پر اس قدر اعتماد تھا کہ انہوں نے ہر قسم کے خطرات سے بے پرواہو کر اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا عزم بالجزم کرلیا۔

حضورؐ سے رخصت ہو کر حضرت نعیمؓ یہود بنو قریظہ کے پاس پہنچے اور ان کو جمع کر کے اس طرح گفتگو کی طرح ڈالی:

نعیمؓ: ''اے برادران بنو قریظہ تم جانتے ہو کہ مجھے تمہارے ساتھ کس قدر محبت ہے۔''

بنو قریظہ: ''ہاں ہم کو بخوبی علم ہے۔''

نعیمؓ: ''قریش اور بنو غطفان محمدؐ سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔''

بنو قریظہ: ''ہاں ہم بھی ان کی مدد کریں گے۔''

نعیمؓ: ''لیکن تمہاری ان سے کیا نسبت، وہ تو تم سے دور رہتے ہیں۔''

بنو قریظہ: ''یہ درست ہے لیکن محمدؐ ان کے بھی اور ہمارے بھی دشمن ہیں۔ اگر ان کو غلبہ حاصل ہو گیا تو وہ انہیں چھوڑیں گے نہ ہمیں۔''

نعیمؓ: ''یہ بھی تو سوچو کہ قریش اور غطفان کو مناسب موقع ملا تبھی وہ محمدؐ سے لڑیں گے ورنہ واپس چلے جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ تمہیں اپنے ساتھ تو نہیں لے جائیں گے۔ تمہیں تو اسی جگہ مسلمانوں کے ساتھ رہنا ہے۔ خواہ مخواہ ان سے جھگڑا کیوں مول لیتے ہو؟''

بنو قریظہ: ''تو پھر ہم کیا کریں؟

نعیمؓ: ''قریش اور بنو غطفان کا ساتھ چھوڑ دو اور لڑائی میں کسی کا ساتھ نہ دو۔''

بنو قریظہ: لیکن ہم تو قریش سے قول و قرار کر چکے ہیں ان کو کیا منہ دکھائیں گے۔''

نعیمؓ: قول و اقرار تو تم نے مسلمانوں سے بھی کیا تھا۔ ذرا اپنے دل میں سوچو کہ قریش کامیابی سے مایوس ہو کر واپس چلے گئے تو یہاں تم اکیلے مسلمانوں کا مقابلہ کیسے کرو گے؟''

بنو قریظہ: ''بلاشبہ تم سچ کہتے ہو لیکن اب ہم اس جھمیلے سے نکلنے کے لیے کیا تدبیر کریں۔''

نعیمؓ: ''تم لوگ مجھے بہت عزیز ہو اس لیے میری مانو تو قریش اور بنو غطفان کے چند آدمی ضمانت کے طور پر اپنے یہاں رکھ لو۔ اگر قریش اور بنو غطفان بدعہدی کریں اور بلا حصول مقصد

واپس چلے جائیں تو تمہارے پاس ان کے آدمی موجود ہوں گے۔اگر مسلمانوں نے تمہارا قصد کیا تو اپنے آدمیوں کی خاطر وہ ضرور تمہاری مدد کو پہنچیں گے۔"

بنو قریظہ: "توریت کی قسم تمہارا مشورہ نہایت صائب ہے۔ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے۔"

بنوقریظہ کی طرف سے مطمئن ہو کر حضرت نعیمؓ سردار قریش ابوسفیان کے پاس گئے اور ان سے اس طرح گفتگو کی:

نعیمؓ: "مسلمانوں سے میری عداوت کا حال آپ کو معلوم ہے اور آپ کے میرے درمیان دوستی کا جو رشتہ ہے اس کا بھی آپ کو علم ہے۔"

ابوسفیان: "ہاں ہاں ہمیں معلوم ہے اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔"

نعیمؓ: "ایک خبر میں نے سنی ہے وہ آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔"

ابوسفیان: "کہو وہ کیا ہے؟"

نعیمؓ: "شرط یہ ہے کہ اس کو پوشیدہ رکھیں خصوصاً بنو قریظہ کے کانوں میں اس کی بھنک نہ پڑ جائے۔"

ابوسفیان: "ہم تمہاری خبر کو پوشیدہ رکھیں گے اور کسی صورت میں اس کو افشا نہ کریں گے۔"

نعیمؓ: "میں نے معتبر ذریعہ سے سنا ہے کہ بنو قریظہ نے آپ کے ساتھ جو عہد و پیمان کیے ہیں وہ ان سے پھر گئے ہیں اور دوبارہ اپنے تعلقات مسلمانوں سے استوار کرنا چاہتے ہیں۔انہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ قریش اور بنو غطفان کے ستر آدمی اپنے قبضہ میں کر کے ان کو محمدؐ کے پاس بھیج دیں تاکہ وہ ان کی گردن اڑا کر اپنا بدلہ لے لے۔اس سلسلہ میں انہوں نے محمدؐ کے پاس پیغام بھیج دیا ہے اور وہ بھی اس بات پر راضی ہے۔"

ابوسفیان: "تمہاری اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟"

نعیمؓ: "میرا تو مشورہ یہ ہے کہ بنو قریظہ آپ سے ضمانت کے طور پر کچھ آدمی مانگیں تو صاف انکار کر دیں اور ان کے دام فریب میں ہرگز نہ آئیں۔"

ابوسفیان: ''تمہارا مشورہ قرین صواب اور مستحسن ہے ہم ایسا ہی کریں گے۔''

قریش کی جانب سے دل جمعی ہونے کے بعد حضرت نعیمؓ بنو غطفان کے پاس گئے اور جو باتیں قریش سے کہی تھیں وہی ان سے کہیں۔ چونکہ وہ خود بھی بنو غطفان ہی سے تعلق رکھتے تھے اس لیے سب اہل قبیلہ نے متفق ہو کر ان کی تائید کی۔

جس دن یہ سب باتیں ہوئیں اتفاق سے وہ جمعہ کا دن تھا۔ اسی رات کو ابوسفیان نے بنو قریظہ کے پاس پیغام بھیجا کہ ہم کو یہاں پڑے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں آدمیوں اور مویشیوں کو بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ آج ہی رات کو جنگ کی تیاری کی جائے اور علی الصباح ہم اور تم مل کر مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کریں۔ بنو قریظہ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ کل یوم شنبہ ہے اور اس دن ہم کوئی کام نہیں کرتے۔ اس کے بعد بھی ہم اسی صورت میں تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے جب تم اپنے قبیلہ کے ستر عمائدو اشراف کو ہمارے پاس بھیج دو گے کیونکہ ہمیں خدشہ ہے کہ محاصرہ طویل ہو جانے کی صورت میں تم گھبرا کر واپس چلے جاؤ گے اور ہم بے یارو مددگار رہ جائیں گے۔ اگر مسلمان ہم پر آپڑے تو پھر اپنے آدمیوں کی خاطر تم ہماری مدد کے لیے آجاؤ گے بصورت دیگر تمہیں اتنی دور سے بلانا محال ہوگا۔

قریش نے جب بنو قریظہ کا جواب سنا تو اس کے کان کھڑے ہوئے اور کہنے لگے واللہ جو کچھ نعیم نے کہا تھا وہ سچ نکلا۔ چنانچہ انہوں نے بنو قریظہ کو جواب بھیجا کہ ہم ہرگز اپنا کوئی آدمی تمہارے سپرد نہیں کریں گے اگر تمہیں ہمارے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے لڑنا ہے تو بہتر ورنہ ہم جب چاہیں گے واپس چلے جائیں گے پھر تم جانو اور مسلمان۔ بنو قریظہ نے بنو غطفان کو بھی اپنے کچھ آدمی ضمانت میں دینے کے لیے پیغام بھیجا تو انہوں نے بھی کورا جواب دے دیا۔ اب بنو قریظہ برملا کہنے لگے کہ نعیمؓ اشجعی نے جو کچھ ہمیں بتایا تھا وہ سب درست نکلا، ہم قریش اور غطفانیوں کے ساتھ مل کر ہرگز مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے۔ غرض دونوں حلیف ایک دوسرے سے بدظن ہو گئے اور ان میں سخت پھوٹ پڑ گئی۔ یہ سب کچھ حضرت نعیمؓ کی بدولت ہوا۔ ادھر خدا کا کرنا چہار شنبہ کے دن ایسی خوفناک آندھی آئی کہ محاصرین کے خیمے گر گئے، آگ بجھ گئی اور دیگیں

چولھوں پر اوندھی ہو گئیں۔۔۔کفار کچھ اس طوفان کی وجہ سے اور کچھ باہمی ناچاقی کی بناء پر ایسے بددل ہوئے کہ محاصرہ اٹھا کر بحالِ خراب اپنے اپنے وطن کی راہ لی۔

غزوہ احزاب کے بعد حضرت نعیمؓ بن مسعود نے اپنے اسلام کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے قبیلہ کے بہت سے لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے اور کئی غزوات میں سرورِ عالمﷺ کی ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر وہ اپنے قبیلے بنو اشجع کو مشرکین مکہ کے خلاف جہاد کی ترغیب دینے کے لیے گئے۔اسی طرح غزوہ تبوک میں بھی وہ اپنے قبیلے کو ابھار کر لائے۔ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف حضرت نعیمؓ کے اپنے دل میں جذبہ جہاد موجزن رہتا تھا بلکہ وہ اپنے اہل قبیلہ کو بھی شریک اس کارِ خیر میں شریک کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

سرورِ عالمﷺ کے وصال کے بعد حضرت نعیمؓ بن مسعود بہت عرصہ زندہ رہے۔اس عرصے میں ان کے کیا مشاغل رہے، اہل سیر نے ان کی تصریح نہیں کی۔حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کا بیان ہے کہ حضرت نعیمؓ بن مسعود نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت کی ابتداء میں وفات پائی۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے جنگ جمل میں شہادت پائی۔اہل سیر نے حضرت نعیمؓ کے صاحبزادے سلمہؓ کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے وہ بھی شرف صحابیت سے بہرہ ور تھے۔ان سے پانچ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے کچھ انہوں نے اپنے والد سے روایت کی ہیں۔

# بابا جا ن کا دعوتی دورہ

پروفیسر طارق محمود

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب ہر سال تمام حلقہ جات کا دورہ فرماتے ہیں تا کہ جو بھائی اپنی کوتاہیوں مصروفیات کی وجہ سے ''مرکز'' نہیں آ سکتے اُن سے ملاقات ہو جائے اور مقامی نئے بھائیوں تک سلسلے کی دعوت پہنچ جائے اور انکی روحانی و اخلاقی ترقی کا سامان ہو سکے۔ امسال گوجرانوالہ کے بھائی پنجاب یونیورسٹی گوجرانوالہ کیمپ کے پروفیسر طارق محمود صاحب بابا جی کے مندرجہ ذیل علاقوں میں ہمراہی تھے۔ بھائیوں کی دلچسپی کیلئے سفر کا حال پروفیسر صاحب کی زبان پیش خدمت ہے۔(ادارہ)

اے مومنو! اللہ کے مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا کہ کون ہیں جو اللہ کی طرف بلانے میں مددگار ہوں۔ حواریوں نے کہا ہم مددگار ہیں تو بنی اسرائیل میں اگر گروہ ایمان تو لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا اور ہم نے ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔ (سورہ الصّف۔14)

اس کام سے اچھا اور کیا ہو سکتا ہے کہ معاشرے کو برے آدمیوں اور برائیوں سے پاک کر کے اِس میں نیک آدمیوں اور نیک کاموں کا اضافہ کیا جائے۔ انبیاء کا کام بھی یہی تھا کہ جو بزرگ یہ کام کرتے ہیں صحیح معنوں میں وہی انبیاء کے وارث اور نائب کہلانے کے مستحق ہیں''۔

(چراغ راہ صفحہ نمبر -38)

بابا جان اور میں مورخہ 6/11/09 کو نو بجے جڑانوالہ روانگی کیلئے اڈے پر موجود تھے کوچ صبح 9:10 پر روانہ ہوئی اور ہم بارہ بجے جڑانوالہ پہنچ گئے شفیق صاحب ہمیں لینے کیلئے آئے ہوئے تھے سلیم صاحب کے گھر پہنچے تو وہاں پر سلیم صاحب اپنے دوست احباب کے ساتھ بابا جان کے استقبال کیلئے موجود تھے سب دوست احباب نے بابا جان سے مصافحہ کیا۔ بابا جان اور سب بھائی ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر گپ شپ ہوئی۔ اِسکے بعد نماز جمعہ کا وقت ہو گیا اور بھائی قریبی مسجد میں نماز جمعہ کیلئے چلے گئے محترم مولانا صاحب عشق رسول ﷺ پر تقریر فرما

رہے تھے۔ تلخ لہجہ، تندو تیز الفاظ کا اُلٹ پھیر انتہائی اونچی آواز سماعتوں پر گراں گزر رہی تھی (ایک سروے کے مطابق 90 فیصد لوگ خطبہ کے بعد جمعہ کیلئے آتے ہیں) اور میں سوچ رہا تھا کہ شاید یہی وجہ ہے کہ لوگ بالکل جماعت کیوقت مسجد میں آتے ہیں۔ دل سے یہی دعا نکل رہی تھی اے اللہ! ہماری زبانوں کو شیریں کردے۔ اور جتنی محبت ہماری زبان پر ہے اُس سے بڑھ کر ہمارے دلوں میں ڈال دے۔ (آمین)

واپسی پر سلیم صاحب نے بتایا کہ یہ تیسرے مولوی صاحب ہیں جو Trial Basis پر ہیں بلکہ ایک مولانا تو خطبہ کے دوران اپنے لئے ووٹ مانگتے بھی دیکھے گئے۔

گھر پہنچے تو دوپہر کا کھانا تیار تھا۔ دیسی مرغی وہ بھی دیسی گھی میں واہ جی واہ۔۔۔۔ سبحان اللہ، شکر کرنے والی زبان بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے (اور تم اپنے رب کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے)۔

عصر کی نماز کے بعد بھائی آنا شروع ہوگئے ذکر کا انتظام شفیق صاحب کے ڈرائنگ روم میں تھا جو کافی کشادہ تھا۔ بابا جان بھی نماز عصر کے بعد بھائیوں کے درمیان موجود تھے سب بھائی بابا جان سے محوِ گفتگو تھے کہ اسی دوران نماز مغرب کی آواز کانوں میں پڑی۔

نماز مغرب کے بعد بابا جان نے شفیق صاحب کو (خادم حلقہ) ذکر کرانے کیلئے کہا اور فضا میں اللہ کے پرنور ذکر کی آواز گونجنے لگی محفل میں تقریباً (70) بھائی موجود تھے مہمانوں کی مزید ارحلیم اور تندوری روٹیوں سے تواضع کی گئی۔

کھانے کے بعد سب بھائی بابا جان کے قریب آ گئے ایک بار پھر سے گفتگو کا سلسلہ شروع ہوگیا بابا جان فرما رہے تھے۔ ہمارے "غریب خانے" ہر قسم کی آسائشوں سے بھرے پڑے ہیں لیکن مکینوں کو پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے اور ہماری حالت اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان کے عین مطابق ہے کہ جس نے ہماری یاد سے منہ موڑا اِس کیلئے تنگی کا جینا ہوگا۔ دلوں سے اللہ کی محبت اور حضور پُرنور کا پیار مفقود ہے اسی لئے دُنیا کا ہر غم اس میں موجود ہے۔ جو دل اللہ کے ذکر سے خالی ہوگا اُس میں دنیا کے غم ضرور گھسیں گے۔ رات گئے تک وعظ و نصیحت کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

اگلے دن دوپہر کا کھانا شفیق صاحب کے بھائی ثاقب صاحب کی طرف تھا۔ اُنہوں نے آب زم زم اور کھجوروں سے ضیافت کی کھجوریں فریج میں رکھی ہوئی تھیں اور کافی سخت تھیں۔ بابا جان نے مشورہ دیا کہ کھجوروں کو کچھ دیر اُبلے ہوئے پانی میں رکھیں بالکل تازہ ہو جائیں گی۔ واقعی ایسا ہوا، اور سب بھائیوں نے بالکل فریش کھجوروں کا مزا اُٹھایا۔ دوپہر کے کھانے اور ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام کیا گیا۔

پروگرام کے مطابق آج حلقۂ ذکر سلیم صاحب کی طرف تھا۔ بابا جان عصر کی نماز ادا کر کے سلیم صاحب کے گھر پہنچ چکے تھے اور تمام احباب بھی۔ اذن علی شاہ صاحب بھی لاہور سے پہنچ چکے تھے۔ احباب بابا جان سے گفتگو میں مصروف ہو گئے اِسی دوران نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ نماز ادا کی گئی شفیق صاحب کو ذکر کروانے کیلئے سٹیج پر بلایا گیا۔ حلقۂ ذکر اور بابا جان کی دُعا کے بعد دوبارہ گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بابا جان نے تین اہم موضوعات کی وضاحت فرمائی پہلا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محبت اور معرفت والی اطاعت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ دوسرا انسان نے اللہ کی محبت کی رکھوالی اور اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کی ہوئی ہے۔ تیسرا انسان اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر کے آیا ہے کہ آپ ہی میرے رب اور میرے محبوب ہیں اور میں صرف آپ ہی کی بندگی و غلامی کرونگا۔ بابا جان نے مزید فرمایا کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے من کی دُنیا میں غوطہ زن ہو کر عہدِ الست کی آواز کو سنے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت کی راہ پر گامزن ہو کر دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جائے۔ باتوں کے دوران بابا جان کی پوری توجہ بھائیوں کے قلوب پر تھی اور بھائی روحانی توجہ و کیف سے بھی سرفراز ہو رہے تھے۔

صبح ناشتے کے بعد فیصل آباد روانگی ہوئی سلیم صاحب، ثاقب صاحب اور اذن علی شاہ صاحب ہمیں چھوڑنے فیصل آباد تک آئے۔ فیصل آباد میں ہمارے میزبان محمد صادق صاحب تھے۔ نماز عصر کے بعد احباب آنا شروع ہو گئے۔ مغرب کی نماز کے بعد محمد صادق صاحب کو ذکر کروانے کیلئے سٹیج پر بلوایا گیا۔ حلقۂ ذکر کے بعد نئے بھائیوں کو بابا جان نے سلسلہ توحیدیہ کا تعارف پیش کیا۔ بھائیوں کی طرف سے کئے سوالات کے بابا جان نے نہایت وضاحت سے

جوابات دیے اور انکی ذہنی و روحانی تشنگی کو دور کیا۔تمام بھائیوں نے رات کے کھانے کی ضیافت سے لطف اُٹھایا۔بعد میں ندیم صاحب اور عارف صاحب فتح پور سے پہنچ گئے بابا جان کے منع کرنے کے باوجود وہ بضد تھے کہ ہم آپ کو فیصل آباد سے لے کر جائیں گے۔جس پر بابا جان نے اُن کو اجازت دے دی تھی۔ناشتہ کرنے کے بعد صادق صاحب اور بھائیوں نے ہمیں بڑے خلوص اور محبت سے الوداع کیا۔راستے میں ہمارا پہلا پڑاؤ تریموں ہیڈ تھا۔یہ ہیڈ انگریزوں کے دور میں بنایا گیا تھا اور انجینئرنگ کا بڑا شاہکار تھابابا جان نے فرمایا دُنیا کی حکومت حاصل کرنے کا ایک میرٹ ہے(اللہ کے نزدیک)اور یہ اُسی کو ملتا ہے جو مخلوق خدا کی خدمت کرتا ہے۔یہاں پر نہایت ہی لذیز فرائی فش سے بھی لطف اندوز ہوا گیا۔

ایک بجے کے قریب ہم فتح پور پہنچ چکے تھے۔طاہر صاحب اور اُن کے دوست احباب بابا جان کے استقبال کیلئے موجود تھے استقبال کے بعد بابا جان کو طاہر صاحب کے گھر میں لایا گیا دوپہر کا کھانا اور آرام کرنے کے بعد نمازعصر کے وقت احباب آنے شروع ہو گئے تھے چوک اعظم سے وحید صاحب،پروفیسر غلام شبیر شاہد صاحب اور دوسرے بھائی بھی پہنچ چکے تھے۔نماز مغرب کے بعد مقامی اور مہمان بھائی کافی تعداد میں جمع ہو چکے تھے ذکر کیلئے بابا جان نے خادم حلقہ طاہر صاحب کو دعوت دی ذکر کے بعد نئے بھائیوں کو سلسلہ توحیدیہ کا تعارف اور اس کی بنیادی تعلیمات سے بھائیوں کو آگاہ کیا بابا جان نے مزید فرمایا:۔اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب و رضا کے طالب اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہوتے ہیں کہ اس کائنات کی تخلیق کا باعث محبت ہی ہے۔محبت ہی وہ امانت تھی جس کے اُٹھانے سے زمین اور آسمان ڈر گئے لیکن حضرت انسان نے اُٹھایا کیونکہ اسے پیدا ہی اللہ کی عبادت یعنی محبت و اطاعت کیلئے کیا گیا ہے۔ اللہ کے دین کی اساس بھی محبت ہی ہے اور تمام عبادات کی روح بھی یہی ہے محبت کیساتھ انجام دیے گئے چھوٹے چھوٹے اعمال بھی اللہ کے ہاں مقبول ہو کر مغفرت کا سبب بنتے ہیں اس کے برعکس اگر ارکان اسلام میں اللہ کی محبت شامل نہ ہو تو سب کچھ رد کر دیا جاتا ہے بقول علامہ اقبال۔

شوق تیرا گر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

نمازعشاءاور کھانے کے بعد دو مقامی بھائیوں نے بابا جان سے بیعت کی۔

صبح ناشتہ کے بعد طاہر صاحب کے دوست احباب وقفہ وقفہ سے تشریف لاتے رہے اور بابا جان سے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے مجھے طاہر صاحب کے بھائی (جوسر گودھا ائیر بیس سے خصوصی طور پر بابا جان سے ملاقات کیلئے آئے تھے) نے فتح پور کی تھوڑی سیر کروائی۔نماز ظہر اور کھانے کے بعد ہم چوک اعظم کیلئے نکلے طاہر صاحب اور ندیم صاحب ہمارے ساتھ تھے۔چوک اعظم پہنچے تو لیاقت علی صاحب ، پروفیسر شبیر صاحب ،حکیم عمر ساجد، مبشر، مولوی خوشبو والے ہاتھوں میں سرخ گلاب کے پھولوں کی مالا لیے کھڑے تھے پر جوش استقبال کے بعد بابا جان اور سب بھائی ڈرائینگ روم میں تشریف فرما ہوئے ،عجب پیار بھرا رشتہ ہے مرشد اور مرید کا ایسا پیار جو صرف اللہ کی وجہ سے ہے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اس رشتے میں پروئے گئے ۔سب بھائی بہت خوش تھے اور بابا جان سے خوب گپ شپ لگا رہے تھے ۔نئے اور مقامی بھائی بھی آنے شروع ہو گئے تھے۔شروع میں لیاقت صاحب اکیلے یہاں پر آئے تھے اور اب یہاں پر تقریباً دس بیعت شدہ بھائی اور پانچ بیعت شدہ بہنیں ہیں اور بارہ کے قریب طالب ہیں ۔نماز مغرب کے بعد بابا جان نے لیاقت صاحب حلقہ ذکر کروانے کیلئے کہا۔حلقہ ذکر کے بعد نشست بیعت ہوئی۔ تین مقامی بھائیوں نے بابا جان سے بیعت کی۔ ۔نئے بھائیوں کا بابا جان سے تعارف کروایا گیا۔ ۔نئے بھائیوں کو دعوت سوال دی گئی ۔بابا جان نے ایک سوال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جب کوئی مرد کامل مل جائے تو اس کے روحانی فیض سے دل میں چھپا ہوا محبت کا بیج پھوٹ پڑتا ہے جس سے دل سراپا نور ہو جاتا ہے۔دل میں وہ چینے کی بوٹی لگ جاتی ہے کہ جس پر ذکر کی آبیاری سے بہار آتی ہے اور انسان کی نس نس میں محبت کی خوشبو بس جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کی اطاعت میں لطف آنے لگتا ہے اللہ کے ذکر سے دل کو اطمینان کی دولت عطا ہوتی ہے ۔نمازیں اللہ کی حضوری والی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جاتی ہیں اللہ کی محبت سے قلب و روح کو وہ انوکھی لذت ملتی ہے کہ انسان دُنیا کے مال و متاع سے بے نیاز ہو کر دائمی مسرت جیسی نعمت سے ہمکنار ہو جاتا ہے۔

نمازِ عشاء کے بعد کھانا شروع ہوا۔عمر ساجد صاحب نے خاص طور پر اپنے دوست کو ملتان سے بلا کر کونٹینینٹل فروٹ سلاد اور سویٹ ڈش کروائی تھی جو نہایت لذیذ اور شاندار تھی بابا جان نے بھی اس کی تعریف کی اور دُعا دی۔

رات ہمارا قیام پروفیسر شبیر صاحب کی طرف تھا۔ناشتہ پروفیسر صاحب سے طرف ہوا اس کے بعد خواتین کی نشست بیعت تھی اور خواتین کے حلقے کی افتتاحی تقریب میں بابا جان کو مدعو کیا گیا۔بابا جان اِس تقریب میں چلے گئے اور پروفیسر شبیر صاحب مجھے چوک اعظم کی سیر کروانے لے گئے سیر کے بعد واپس پہنچے تو بابا جان پہنچ چکے تھے۔بھائی اور دوست احباب بھی موجود تھے پروفیسر صاحب اور لیاقت صاحب کے دوست و احباب کا آنا جانا لگا رہا نمازِ ظہر اور کھانے کے بعد بابا جان آرام کیلئے چلے گئے باقی ہم سب بھائی گفتگو میں مصروف ہو گئے نمازِ عصر کے بعد بابا جان پھر ہمارے درمیان جلوہ فرما ہو گئے۔دوستانہ ماحول میں بابا جان سے احباب گفتگو کرنے لگے بابا جان نے قبلہ حضرت عبدالحکیم انصاریؒ کیساتھ گزارے ہوئے وقت کے بارے میں بتایا۔ اذانِ مغرب کی آواز کانوں میں گونجی تو بھائی نماز کی تیاری کرنے لگے ذکر کروانے کیلئے بابا جان نے لیاقت صاحب کو دعوت دی۔"اللہ کے ذکر سے ہی دِلوں کا اطمینان ہے"۔اِس بات کا اندازہ دورانِ ذکر بخوبی ہوتا ہے اور جب کوئی اللہ والا بھی درمیان میں موجود ہو تو پھر تو سونے پر سہاگے والی بات ہو جاتی ہے۔ذکر کے دوران حاصل ہونے والی کیفیت اور مستی کئی کئی گھنٹے برقرار رہتی ہے۔

ذکر کے بعد بابا جان محو گفتگو ہو گئے سورۃ اعلیٰ کی آیات کی تشریح میں بابا جان نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فلاحِ انسانیت کو تین چیزوں سے مشروط کیا ہے وہ ہیں تزکیہ، ذکر اور نماز۔یہاں تزکیہ کو نماز اور ذکر سے بھی مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ جب تک دل کا کوڑا کرکٹ صاف نہ کیا جائے اِس وقت تک وہ ذکر کے نور سے روشن نہیں ہو سکتا۔دلوں کا تزکیہ کرنا حضورﷺ کے منصبِ رسالت کے فرائض میں شامل ہے اور صحابہ کرامؓ کو جو روحانی بلندی نصیب ہوئی وہ نورِ رسالت کے فیضان کے سبب تھی اِس لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کو اپنی منزل قرار دینے والوں کیلئے جہاں کسی کامل

شیخ سے نسبت لازمی ہے وہاں اللہ کے ذکر کی مجالس اور صحبت صالحین میں بیٹھنا بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔

نمازِ عشاء اور کھانے کے بعد بھی بابا جان سے بات چیت چلتی رہی پھر بابا جان آرام کیلئے کمرے میں چلے گئے۔ ماشاءاللہ بابا جان کا Stemna اب بھی فوجیوں والا ہے آج بابا جان نے مسلسل چھ گھنٹے نشست کی تھی مسکراہٹ اور آواز کا حجم ذرا بھی کم نہیں ہوا تھا۔ مولوی خوشبو والے سریلے سر کے مالک ہیں اُنہوں نے مجھے ایک دو غزلیں سنائیں۔

ناشتہ مبشر صاحب نے Arrange کیا تھا۔ صبح ہم سب بھائی مبشر صاحب کے گھر پہنچ گئے فیصل خان صاحب بھی ملتان سے ہمیں لینے آ چکے تھے۔ بابا جان کی صحبت اور گفتگو میں ناشتہ کیا۔ اب وقت جدائی آ پہنچا تھا۔ سب بھائیوں نے بابا جان سے الوداعی مصافحہ کیا بابا جان نے لیاقت صاحب، پروفیسر صاحب اور سب بھائیوں کا شکریہ ادا کیا مبشر صاحب نے الوداعی پھول پیش کیے اور ہم ملتان کی جانب روانہ ہوئے۔ چوک اعظم کے بھائیوں کا حوصلہ اور اللہ کی راہ میں لگن قابل قدر ہے۔ بابا جان پہلے بھی اکثر ان بھائیوں کی تعریف فرمایا کرتے تھے مگر اب اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ لیا۔ میں گاڑی میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ ہمارے اور ان بھائیوں کا آپس میں کوئی کاروباری یا خونی رشتہ نہیں مگر اللہ کے نام پر قائم ہونے والے تعلق نے ان تمام رشتوں کو مات دے دی ہے۔ واقعی مومن کی یہی پہچان ہے کہ وہ سب سے شدید محبت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہے اور اِسکے بعد اُسی کے واسطے سے تمام محبتیں۔

میرے دل سے بھائیوں کیلئے خاموش دُعا نکل رہی تھی کہ اے اللہ جس طرح اِن سب بھائیوں نے صرف تیرے لئے پرخلوص اور محبت بھری خدمت کی ہے اِسکے بدلے میں دنیا اور آخرت کی سب بھلائیاں عطا کر۔ اور انکے روحانی درجات بلند فرما۔ آمین۔

راستے میں امین شاہ صاحب رابطے میں رہے اور ملتان پہنچنے پر شاہ صاحب کی طرف قیام کیا گیا۔

# بابا جان کا دورہ ملتان

## جواد رضا

12۔نومبر کو بابا جی نے مختلف شہروں کے دورے کے بعد ملتان پہنچنا تھا۔میاں علی رضا صاحب اور میں نے طے شدہ پروگرام کے تحت گوجرانوالہ سے ملتان پہنچنا تھا۔

چنانچہ ڈائیوو کے آرام دہ سفر کے بعد ہم لوگ 4:20 پر ملتان اڈے پر پہنچے تو گرم جوش استقبال کیلئے خالد محمود بخاری،فہد شاہ بخاری کے ساتھ موجود تھے۔اِنکے ساتھ اڈے سے روانگی ہوئی۔اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے کے محاورے کی طرح ابھی ہمارا سفر شروع بھی نہ ہوا تھا کہ ختم بھی ہوگیا۔

بائیک ایک ریسٹورنٹ میں داخل ہوتی نظر آئی۔کھانا آنے تک حال احوال اور تعارف حاصل کیا گیا۔خالد بھائی نے بتایا کہ بابا جی اور پروفیسر طارق محمود کچھ دیر قبل ہی پہنچے ہیں اور امین شاہ صاحب کے ہاں ٹھہرے ہیں۔کھانا واقعی مزیدار تھا،اور کیوں نہ ہوتا آخر خالد محمود بخاری صاحب کی چوائس تھا۔موصوف محکمہ خوراک میں انسپکٹر ہیں۔کھانے کے بعد جب خالد بھائی نے بل ادا کیا تو مجھے کچھ شک ہوا کہ یہ واقعی محکمہ خوراک میں انسپکٹر ہیں بھی یا نہیں؟ بھلا سرکاری افسران کو بل کی (PAYMENT) سے کیا سروکار؟

کھانے کے بعد روانگی ہوئی۔کچہری روڈ کی طرف سے ہوتے ہوئے گلگشت کالونی سے گزر کر امین شاہ صاحب کی رہائش گاہ پر پہنچے۔شاہ جی باہر صحن میں ہی کھڑے تھے۔

آئیں جی کیسے بھول پڑے؟امین شاہ جی گلے ملتے ہوئے بولے۔

''کیا آپ کے پاس لوگ بھول کر آتے ہیں؟''ہم نے جواب دیا تو شاہ جی مسکرا دیئے۔

اِسی وقت خالد بھائی اور ڈاکٹر علی رضا بھی تشریف لے آئے۔ہم کو اندر پہنچا دیا گیا جہاں کمرے میں چارپائی پر بابا جی اپنی ملکوتی مسکراہٹ کے ساتھ کمرے میں موجود بھائیوں کو حکمت کے انمول موتی لٹاتے نظر آئے۔

بابا جی بھائیوں کو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام کی وجوہات بیان کررہے تھے۔بابا جی نے فرمایا ''جناب قبلہ انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد قرآن وسنت پر مشتمل اصولوں کے مطابق

رکھی۔ آپؒ نے فرمایا کہ سلسلے میں شامل ہر بھائی پہلے اسلام کے بنیادی فرائض کی پابندی کے علاوہ ذکر نفی اثبات اور پاس انفاس کے ذریعے قلب کو بیدار اور صاف کرے اور اس کے ساتھ غصہ و نفرت کی نفی کر کے عالمگیر محبت اور صداقت کے ذریعے اپنے اخلاق و کردار کا تزکیہ کرے پھر قلبی توجہ سے دوسرے بھائیوں کی اصلاح میں لگ جائے"۔

چائے اور بھائیوں کی آمد ایک ساتھ ہوئی۔ آنے والوں میں فیصل خان، حافظ عبدالکریم، قاسم خان، عابد کبیر بخاری اور سید عاصم بخاری وغیرہ شامل تھے۔ دوستوں کی آمد کا سلسلہ مغرب تک جاری رہا۔

ساتھ والے ہال نما کمرے میں بھائیوں کے بیٹھنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ بابا جی نے ذکر کا کہا تو امین شاہ صاحب بولے۔"بابا جی ذکر کا تو پروگرام نہیں تھا"۔ بابا جی مسکرا کے بولے۔"بھئی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ چار بھائی اکٹھے ہوں اور اللہ کا ذکر نہ ہو۔ آپ ذکر کا اہتمام کریں"۔

مغرب کی نماز بابا جی کی امامت میں ادا کی گئی۔ اُس کے بعد ذکر کیا گیا۔ ذکر کے بعد بابا جی نے ذکر کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ جن برتنوں اور اشیاء کو مزید چمکانا ہو اور زنگ سے محفوظ رکھنا ہو تو اُن کو پہلے مانجھا جاتا ہے پھر اُن پر قلعی، کرومیم یا جست وغیرہ دھاتوں کی باریک سی تہہ کی کوٹنگ کی جاتی ہے۔ اِسے صیقل کہتے ہیں۔ دل جو کہ اللہ کا گھر ہے اِسے تزکیہ کے بعد صیقل کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ اللہ کا ذکر ہے۔

ذکر کے بعد بھائیوں کو کھانا پیش کیا گیا جو کہ مرغ اور روٹی پر مشتمل تھا۔ بابا جی کے استفسار پر امین شاہ جی نے بتایا کہ محفل سماع کا بھی انتظام کیا گیا ہے، بقول شاہ جی کے، ملتان کے سب سے سریلے قوالوں کو مدعو کیا گیا ہے۔

محفل سماع کا وقت ہو گیا مگر قوال ندارد شاہ جی موبائل ہاتھ میں لئے مرغ بسمل کی طرح اندر باہر کے چکر لگا رہے تھے۔ کئی بھائیوں نے انتظار کی کوفت کا شکار ہو کر واپسی کی ٹھانی۔ اور ٹھیک اُسی وقت جب ہم قیاس کر رہے تھے کہ شاید قوالی کا پروگرام ملتوی ہوجائے۔ اِک شور سا مچا، کہ تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آ گیا۔

محفل سماع کا اہتمام شاہ جی کے وسیع دالان میں شامیانے لگا کر کیا گیا تھا۔ بھائیوں کی

تعداد 30 سے 40 تک ہوگئی تھی۔میاں علی رضا اور خالد محمود بخاری کو بابا جی نے ساتھ بٹھایا۔ قوالی شروع ہوئی۔

اب قوالی کے متعلق ہم بیان نہیں کر سکتے، کیونکہ ہمارے نزدیک قوالی ایک ایسا گانا ہے جس میں بہت سے قوال مل کر ایک دوسرے کو گانے نہیں دیتے۔اگر پنڈی والے طارق محمود صاحب ہوتے تو شاید بہتر طریقے پر لطف اندوز ہو سکتے اور بیان کر سکتے۔

ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ قوال واقعی سریلے تھے۔اُن کے سُر فضا میں ہر طرف بکھرے ہوئے تھے، بلکہ چند سُر ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہے تھے اور قوال اُن کو گرفت میں لینے کیلئے سرگرداں تھے البتہ بابا جی نے محفل سماع میں مستی اور فیض کے جام خوب لٹائے۔سبھی بھائی کہتے پھر رہے تھے،ساقیا اور پلا اور پلا۔

رات 2 بجے محفل اختتام پذیر ہوئی۔مقامی بھائی رُخصت ہونے لگے اور ہم چند بھائیوں کا قیام شاہ صاحب کی طرف ہی تھا۔فجر کی اذان کے ساتھ ہی ہم نے بستر چھوڑ دیا،نماز کے بعد ہم حسب معمول چہل قدمی کیلئے باہر نکل آئے۔کچھ دیر بعد ہی شاہ جی اندر سے نمودار ہوئے۔

''آئیں جواد صاحب، میں ذرا ناشتے کیلئے کچھ خریدنے جا رہا ہوں، آپ چلیں گے''۔وہ ہماری طرف آتے ہوئے بولے ہم نے فوراً سے پیشتر اِس دعوت کو لبیک کہا۔شاہ جی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ڈرائیونگ اُن کے صاحبزادے نے سنبھالی۔

ایم۔ڈی۔اے سے مُراد (Multan Development Authority) ہے۔ (جیسے ہمارے ہاں جی۔ڈی۔سے مُراد (Gujranwala Destroy Authority) ہے) یہاں احمد سویٹس سے حلوہ پوڑی خریدی گئی، اِس کے بعد گاڑی کچہری روڈ سے ہوتی ہے سابقہ گھنٹہ گھر اور موجودہ واٹر ورکس چوک پر پہنچی، یہاں سے شاہ جی نے القریش ہوٹل سے پائے خریدے، چنے کہیں سے تو نان کہیں سے خریدے گئے۔اِس دوران شاہ جی رستوں سے بھی آگاہ کرتے ہوئے اپنے کمنٹس بھی دیتے رہے کہ فلاں جگہ کی یہ چیز مشہور رہے اور فلاں کی یہ۔بھاری ناشتے کے بعد شاہ جی عدالت کو رُخصت ہوئے جبکہ ہم لوگ بابا جی سے اجازت لے کر ملتان یاترا کو نکل کھڑے ہوئے۔آٹو رکشا کے ذریعے ہم شاہ رُکن عالمؒ اور بہاؤالدین ذکریاؒ کے دربار سے

ہو کر ہم میاں علی رضا سے اُن بزرگانِ دین کے حالاتِ زندگی اور تعلیمات سے آگاہ ہوتے ہوئے موسیٰ پاکؒ دربار پہنچے۔

اِس کے بعد ہم ملتان کی سیر کرتے ہوئے واپس روانہ ہوئے۔جگہ جگہ پر کھدائی جاری تھی۔ جس پر خیال گذرا کہ ملتان کی انتظامیہ شاید یہاں ہڑپہ یا موہنجوداڑو دریافت کرنے کے چکر میں ہے۔دوپہر کو شاہ جی واپس تشریف لائے۔نمازِ جمعہ ساتھ ہی مسجد میں ادا کی گئی، اِس کے بعد (Lunch) کا سلسلہ شروع ہوا۔مُرغ، مچھلی اور نجانے کیا کیا موجود تھا۔

لنچ کے بعد قیلولہ کیا گیا۔

عصر کے بعد فیصل خان پروگرام کے مطابق گاڑی لے کر پہنچ گئے۔ہم نے بیگ گاڑی میں منتقل کیئے اور روانہ ہوئے۔گاڑی نے بائیک پر موجود خالد محمود بخاری کی رہنمائی میں بستی دین پور کا رُخ کیا جو کہ ملتان کی مضافات میں واقع ہے۔

محفلِ ذکر کا اہتمام بھائی غلام شبیر کے ہاں کیا گیا تھا۔اُن کے وسیع صحن میں دریاں بچھا کر شامیانے لگا دیئے گئے تھے۔بعد میں آنے والے بھائیوں میں قاسم خان اور حافظ عبدالکریم بھی شامل تھے۔مغرب کی نماز باباجی کی امامت میں ادا کی گئی۔نماز کے بعد ذکر کیا گیا۔اِس کے بعد باباجی نے نئے بھائیوں سے کہا کہ اگر وہ کسی قسم کے سوالات کرنا چاہیں تو کریں۔ایک بھائی نے سوال کیا کہ آخر ذکر کرنے مقصد کیا ہے؟

باباجی نے فرمایا۔اِس لئے کہ فلاحِ کامل کیلئے ایک شرط اپنے رب کے نام کا ذکر کرنا بھی ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں کہا ہے کہ **ولذکر اللّٰہ اکبر** یعنی اللہ کا ذکر سب سے بڑی بات ہے۔ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔اُٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے اور لیٹے ہوئے ذکر کرو۔اللہ تعالیٰ نے ذکر کی کثرت کے علاوہ کسی دوسری عبادت کو کثرت سے کرنے کا حکم نہیں دیا''۔اس کے بعد باباجی نے اللہ کے ذکر پر قرآن وسنت کی روشنی میں مفصل بات کی۔اس کے بعد کھانا کھایا گیا۔کھانے میں مرغ، روٹی، گاجر کا حلوہ اور فروٹ تھا۔گاجر کا حلوہ تو اتنا مزیدار تھا کہ پروفیسر طارق باؤل خالی ہونے کے بعد بھی متلاشی نظروں سے حلوہ ڈھونڈتے پائے گئے۔

بھائیوں کی محبت سے لبریز گفتگو کے دوران رُخصتی ہوئی۔اِس مرتبہ منزل نشیمن کالونی بوسن

روڈ پر واقع فیصل خان کی رہائش گاہ تھی۔فیصل خان کے بھائی ناصر خان اور بہنوئی راشد صاحب نے استقبال کیا۔مہمانوں کی تواضع چائے سے کی گئی۔
اس کے بعد بابا جی نے ہم سب کو مختلف نصیحتوں سے نوازتے ہوئے پاس انفاس اور اپنے معاملات پر دھیان دینے کو کہا۔اسکے بعد سونے کی تیاری شروع ہوگئی۔میں اور میاں علی رضا صاحب اوپر والی منزل پر ایک ہی کمرے میں تھے۔
فجر کی نماز اپنے اپنے کمرے میں ہی ادا کی گئی۔8 بجے کے بعد دروازہ کھلا اور فیصل صاحب نے آکر بتایا کہ نیچے بابا جی اور پروفیسر طارق صاحب ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں۔ناشتہ انتہائی لذیز تھا۔جس میں دیسی گھی میں بنا ہوا گھر کا حلوہ بھی شامل تھا۔
ناشتے کے بعد بابا جی گھر میں ہی ٹھہر گئے۔کیونکہ فیصل بھائی کے کبھی گھر والے بابا جی سے بیعت ہیں اور فیصل صاحب بابا جی سے اجازت لے کر ہم کو ملتان کی سیر کروانے کیلئے نکل پڑے۔سب سے پہلے گاڑی نے ذکریا یونیورسٹی کا رُخ کیا، اُس کے بعد ملتان کے مختلف اہم مقامات دیکھے۔اِس دوران فیصل خان نے میاں علی رضا کے ساتھ روحانیت پر گفتگو شروع کردی۔
روحانیت کے وہ پہلو ڈسکس کیئے گئے جن کو میں نے صرف سننے پر ہی اکتفا کیا۔اِس عقل سے ماوراء گفتگو کو ہمارا قلم زیرِ تحریر لانے سے قاصر ہے۔اِس لئے معذرت۔اِس کے بعد واپسی پر لان میں بیٹھ کر پودوں اور پرندوں کی اقسام پر گفتگو ہوئی،فیصل خان پودوں اور پرندوں کا انسائیکلوپیڈیا ثابت ہوئے۔اتنے میں بابا جی بھی اندر سے تشریف لے آئے۔لان میں ہی نماز بابا جی کی امامت میں ادا کی گئی۔اِس کے ساتھ ہی لنچ کا سگنل مل گیا۔کھانے میں ہوا میں اُڑنے والی مخلوق سے لیکر دریا میں تیرنے والی اور زمین پر چلنے والی اللہ کی تمام نعمتیں شامل تھیں۔لنچ سے انصاف کرنے میں ایک مرتبہ پھر بازی پروفیسر طارق کے ہاتھ رہی۔دورانِ کھانا بابا جی نے مختلف چٹکلوں سے نوازا۔اب کی بار منزل سلطان آباد میں حافظ عبدالکریم کی رہائش گاہ تھی۔ جہاں پر حافظ صاحب کی صاحبزادیوں کے نکاح کی رسم میں شمولیت طے شدہ تھی۔
نمازِ مغرب کے بعد حافظ صاحب کے صحن میں بھائیوں کی محفل جمی۔امین شاہ،خالد محمود فہد

شاہ، قاسم خاں، غلام شبیر اور دوسرے بہت سے بھائی موجود تھے۔ بابا جی نے میاں علی رضا سے گفتگو شروع کرنے کو کہا۔ ڈاکٹر علی رضا نے بات شروع کرتے ہوئے کہا کہ نماز، روزہ اور سبھی عبادات کا مقصد ایک ایسی چیز انسان میں اُجاگر کرنا ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کا قرب و محبت اور دیدار کرا دے۔ دین کے اوامر و نواہی کا مقصد ہی یہ ہے کہ انسان خواہشات نفس اور ہوا و ہوس کا غلام بننے کی بجائے صرف اللہ کا عبد یعنی غلام بن جائے۔ اِس کا تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب ہو جائے اور اللہ کی صفات کا رنگ چڑھ جائے اور دُنیا کی محبت دل سے نکل جائے۔ اِس موقع پر امین شاہ صاحب نے موضوع بدل دیا۔

ایک بھائی ناصر صاحب نے بابا جی سے کہا۔ ''بابا جی ذکر کے بعد مجھے آپ کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا''۔

بابا جی برجستہ بولے۔ ''بھائی آپ ذکر میرا چہرہ دیکھنے کیلئے کرتے ہیں''؟۔

اس کے بعد بابا جی نے کہا کہ مقصد ذکر کرنے کا یہ ہے کہ اللہ کو ہر پل یاد رکھا جا سکے۔ ہر سانس کے ساتھ اللہ کی یاد کو قائم رکھا جا سکے۔ اِس میں اللہ کو دیکھنا مقصود ہونا چاہیے۔ یہاں پھر امین شاہ صاحب نے بات اپنے ہاتھ میں لے لی۔

کچھ دیر بعد حافظ صاحب کی صاحبزادیوں کا نکاح ہوا۔ بابا جی نے خصوصی دُعا فرمائی۔ کھانے کے بعد خالد بھائی کی رہنمائی میں قاسم خاں کی رہائش گاہ جو کہ آفیسر کالونی میں ہے، کی طرف روانگی ہوئی۔

یہاں پہنچتے ہی میاں علی رضا نے بابا جی کو اپنی ذاتی وجوہات بتا کر واپسی کی اجازت طلب کی۔ اور فیصل خان کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے۔ قاسم بھائی نے ہم لوگوں کو کولڈ ڈرنکس اور ڈرائی فروٹ پیش کیئے۔ جس کے بعد دوسرے بھائی روانہ ہو گئے۔ سونے سے قبل بابا جی نے ہم دونوں کو قبلہ انصاریؒ صاحب کے چند دلچسپ واقعات سنائے۔

رات کے پچھلے پہر بابا جی نے شاید سوتے میں ہی ''اللہ'' کہہ کر جو آواز بلند کی تو ہماری آنکھ ایک جھٹکے سے کھل گئی۔ اِسی وقت بابا جی نے لیٹے ہی لیٹے ایک دفعہ پھر ''اللہ'' کا نعرہ لگایا۔ ایکدم سے کائنات میں صرف ایک ہی لفظ ''اللہ'' پھیلا ہوا محسوس ہوا۔ اِس کے بعد تیز دھڑکتے دل کو

سنبھالنے میں ہمیں کتنی ہی دیر لگ گئی۔عجب پر کیف حالت تھی۔فجر کی نماز کے بعد ہم نے قاسم خاں کے ہمراہ کچھ دیر آفیسر کالونی کی گلیاں ناپیں اور قاسم بھائی سے ''سلسلے'' سے منسلک ہونے کا حال سنا۔قاسم بھائی کی ذکریا یونیورسٹی میں فوٹو اسٹیٹ کی دکان ہے۔واپسی پر فیصل خان گاڑی کے ہمراہ موجود تھے۔

دوسرے بھائیوں جن میں خالد بخاری، غلام شبیر اور حافظ عبدالکریم پیش پیش تھے، کی آمد پر ناشتہ کیا گیا۔ہم نے تو ایک پراٹھے اور انڈے کو معدے کا رستہ دکھایا۔البتہ پروفیسر طارق نے ناشتے کو اِس بری طرح گھیرا کہ اُس کو فرار کا رستہ نہ ملا۔امین شاہ جی چائے کے وقت تشریف لائے۔

بھائیوں کو خدا حافظ کہہ کر ہم لوگ روانہ ہوئے۔اِس دفعہ ہماری منزل ملتان سے 35-40 کلومیٹر دور ''شجاع آباد'' تھی۔خادم حلقہ شجاع آباد خالد مصطفےٰ بخاری اور خادمِ حلقہ لسوڑی عابد کبیر شاہ نے ہمارا استقبال کیا۔کچھ دیر کی ہلکی پھلکی گفتگو کے بعد فیصل خان واپس روانہ ہو گئے۔ظہر کی نماز باباجی کی امامت میں بخاری صاحب کی وسیع بیٹھک میں ادا کی گئی۔جس کے بعد کھانا پیش کیا گیا۔جسکا ذائقہ ابھی تک ہمارے ذہن میں ہے۔کھانے کے بعد باباجی نے قیلولہ کیا۔

عصر کی نماز کے بعد بھائیوں کی آمد شروع ہو گئی۔آنے والے بھائیوں میں لسوڑی سے آئے رحمت اللہ شاہ بھی موجود تھے۔مغرب کی نماز کے بعد عابد کبیر بخاری نے ذکر کرایا۔ذکر کے بعد باباجی نے وعظ فرمایا،اور قبلہ انصاریؒ صاحب کی تعلیمات پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ باباجی نے اپنی تعلیمات کی بنیاد قرآن پر رکھی اور قرآن وسنت سے ہٹ کر اپنی مرضی کا ایک لفظ بھی اِس میں شامل نہیں کیا۔اِس کے بعد بھائیوں سے تعارف حاصل کیا گیا۔زیادہ تر بھائی نئے تھے۔بھائیوں کی تعداد 50 کے لگ بھگ ہوگی۔

اِس کے بعد کھانا پیش کیا گیا۔جو کہ ذائقے کی بلندی کو چھو رہا تھا۔چائے کے ساتھ گپ شپ ہوئی۔خالد مصطفےٰ صاحب اور عابد کبیر صاحب نے باباجی کو اپنی کاوشوں سے آگاہ کیا۔اسکے بعد بھائی سونے چلے گئے۔

اگلی صبح بھاری ناشتے کے بعد بھائیوں کی آمد دوبارہ شروع ہوئی۔جو کہ دوپہر تک جاری

رہی ۔رحمت اللہ شاہ اپنے بھائیوں اور والدِ محترم عاشق حسنین جو کہ بابا جی کے ”مجاز“ ہیں کے ساتھ تشریف لائے ۔عاشق صاحب پر فالج کا حملہ ہوا ہے، بات نہیں کر پاتے، خاموشی سے بیٹھ کر بابا جی کو دیکھتے رہے۔بابا جی نے جب عاشق صاحب کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے تو عاشق صاحب کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔بابا جی نے ان کو تسلی دی اور ہاتھوں میں ہاتھ لے کر بیٹھے رہے۔

کچھ دیر بعد بابا جی نے خصوصی طور پر عاشق صاحب کیلئے دُعا فرمائی ۔جسکے بعد عاشق صاحب کو واپس لے جایا گیا۔مگر رحمت اللہ شاہ ادھر ہی رُک گئے ۔تشریف لانے والوں میں شجاع آباد اور لسوڑی کے بھائیوں سمیت نئے بھائی بھی موجود تھے۔جن میں عابد کبیر کے سکول کے پرنسپل اور ساتھی ٹیچرز بھی تھے۔یہ بھی ”طالب“ ہیں ۔بابا جی نے ان کو سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور تعلیمات سے آگاہ فرمایا۔گپ شپ کے دوران ہی فیصل خان بھی تشریف لے آئے ۔عابد کبیر بخاری اور رحمت اللہ شاہ سے گفتگو کر کے ہمارے علم میں یہ بات آئی کہ یہاں ابھی تک پانی پلانے اور گھوڑے آگے بڑھانے والے مسائل سے دوچار لوگ موجود ہیں۔دعوے اور عمل کے اس کھلے تضاد پر بہت افسوس ہوا۔خدا ہم سب کو بابا جی کی تعلیمات پر خصوصاً عالمگیر محبت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔(آمین)

دوپہر کا کھانا نہایت مزیدار تھا۔کھانے سے فارغ ہو کر واپسی کی تیاری کی گئی ۔منزل اِس دفعہ پھر فیصل خان کی رہائش گاہ تھی ۔جہاں سے رات کو گوجرانوالہ واپسی روانہ ہونا تھا۔سبھی بھائیوں سے الوادعی ملاقات کے بعد ہم لوگ روانہ ہوئے ۔دورانِ سفر بابا جی کی مزیدار گفتگو اور چٹکلوں سے استفادے کا خوب موقع ملا۔

عصر کی نماز کے وقت ہم ملتان شہر میں داخل ہوئے ۔عصر کی نماز فیصل خان کے بہنوئی راشد خان کے ہاں ادا کی گئی ۔نماز کے بعد چائے بمعہ لوازمات سے تواضع کی گئی ۔

فیصل خان کے گھر پہنچتے پہنچتے مغرب کا وقت ہو گیا ۔مغرب کی نماز کے ساتھ ہی بھائیوں کی آمد شروع ہو گئی ۔آنے والوں میں امین شاہ، خالد محمود بخاری، غلام شبیر، قاسم بخاری اور حافظ عبدالکریم اور دوسرے بھائی بھی تھے۔

بھائیوں کو چائے کے ساتھ کیک اور بسکٹ پیش کئے گئے۔ چائے کے بعد بابا جی نے خالد محمود بخاری کو اپنا ''مجاز'' بنانے کا اعلان کیا اور تقرر نامہ اُن کے حوالے کیا۔ سبھی بھائیوں نے خالد محمود صاحب کو مبارکباد دی۔ بعد میں خالد بخاری صاحب نے اپنے احساسات کا ذکر کرتے ہوئے ہم کو فون پر بتایا کہ وہ خود کو ہنوز طفلِ مکتب اور صفر سمجھتے ہیں۔ یہ اللہ کا کرم اور بابا جی کی نوازش ہے کہ اُن کو اس قابل سمجھا گیا۔ گفتگو کے دوران خالد محمود بخاری نے یہ بھی بتایا کہ اب وہ سمجھتے ہیں کہ اُن پر مزید ذمے داری بڑھ گئی ہے۔ اُن کو اپنی خامیوں اور کوتاہیوں پر مزید دھیان دینا ہوگا۔

اِسکے بعد ہم کو ڈرائنگ روم کی طرف لے جایا گیا۔ جہاں پر ایک دفعہ پھر انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔ اِس الوداعی سلامی کا بھی پروفیسر طارق نے خیر مقدم کیا جبکہ ہم نے سرسری ہاتھ ہی ملایا۔

کھانے کے بعد ہم بھائیوں کے لائے تحائف اور سوہن حلووں کو بیگوں میں ٹھونستے پھر رہے تھے۔ پیکنگ کے بعد چائے کا دور پھر چلا۔ جس کے ساتھ بابا جی کے شگوفے چائے کا مزہ دوبالا کرنے کو کافی تھے۔ چائے کے بعد فیصل بھائی نے گاڑی نکالی۔ بیگ جو کہ اب بارگراں ہو چکے تھے۔ اُن کو ڈکی میں منتقل کیا گیا۔

رات 10 بجے کوچ کو روانہ ہونا تھا۔ سیٹیں بک تھیں۔ فیصل خان ہماری رُخصتی تک رُکے رہے۔ اُن کا بس نہیں چل رہا تھا کہ بابا جی کو روک لیں یا پھر اُن کے ساتھ ہی رختِ سفر باندھیں۔ کوچ کی روانگی کیساتھ ہی واپسی کا سفر شروع ہوا۔ فیصل خان ہاتھ ہلاتے رہ گئے اور کوچ اڈے سے نکل کر سڑک پر پھسلنے لگی۔

صبح 5 بجے ہم گوجرانوالہ پہنچ گئے۔ اب ہم تھے، پروفیسر طارق تھے اور شہر کی جانی پہچانی گلیاں۔ آجکل ہم تو ملتان کے بھائیوں کی محبت اور یادوں میں مگن ہیں۔ اور پروفیسر طارق صاحب کے متعلق سنا ہے کہ معدے کا علاج کروا رہے ہیں۔

# سناء۔۔ مصری خاتون

ڈاکٹرعبدالغنی فاروق

ذیل کا مضمون عربی مجلّہ ''الفیصل'' میں شائع ہوا۔جسے خالد محمود ترمذی صاحب نے اردو میں ترجمہ کیا اور ہفتہ روزہ ''ایشیا'' لاہور (۱۲اپریل ۱۹۹۸ء) میں شائع ہوا۔میں مترجم موصوف اور ''ایشیا'' کے شکریہ کے ساتھ نذر قارئین کررہاہوں۔(مولف)

''انسان کے لیے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں کہ اللہ عزوجل اسے راہ ہدایت اور ایمان کی دولت سے نواز دے۔ایمان ایسی لازوال نعمت ہے جس کی ابدی حلاوت اسی کو نصیب ہوتی ہے جسے خدا چاہے۔۔۔۔۔اور مجھ سے زیادہ خوش بخت اور سعید دنیا میں اور کون ہوگا جسے اللہ کریم نے صراطِ مستقیم یعنی اسلام اور ایمان کی راہ سجھائی اور مجھے ضلالت وگمراہی کی جہالت سے اور دوزخ کی آگ سے نجات دی؟''

ان کلمات تشکر کے ساتھ نو مسلمہ سناء کفروشرک کی ضلالت کو چھوڑ کر اپنے قبول اسلام کا واقعہ بڑے پرجوش انداز میں بیان کرتی ہے۔

سناء مصر کے ایک عیسائی گھرانے میں پیدا ہوئی۔ہر عیسائی کی طرح ہر اتوار کو اپنے والدین کے ساتھ گرجا جانا اس کا معمول تھا۔وہاں وہ پادری کے ہاتھ چومتی اور سب کے ساتھ مل کر یسوع مسیح کی حمد اور ترانے گاتی۔پھر پادری سب کو اناجیل اربعہ کی کچھ عبارتیں سناتا اور یہ بڑے غور سے سنتی۔پادری عقیدہ تثلیث پر جمے رہنے کی یہاں تک تلقین کرتا کہ تثلیث پر عقیدہ رکھے بغیر کوئی غیر مسیحی نیکی اور بھلائی کا کوئی بھی کام سرانجام دے،وہ عنداللہ ماجور ومقبول نہیں بلکہ مغضوب ہے کیونکہ اس کے گمان کے مطابق یہ کفر الحاد ہے۔

سناء پادری کے وعظ کو دوسرے بچوں کی طرح بے دھیانی سے سنتی اور پھر جیسے ہی گرجا سے نکلتی اپنی مسلمان سہیلی حناء کے ساتھ کھیلنے کے لیے دوڑ پڑتی۔کیونکہ بچپن میں انسان کا ذہن صاف سلیٹ یا کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے اس پر پادری کے وعظ بھی ایک دوسرے سے نفرت اور تعصب پیدا نہیں کرسکتے۔

سناء جب ذرا بڑی ہوئی تو سکول میں داخل کروادی گئی جہاں اس کا واسطہ کئی مسلمان لڑکیوں سے پڑا جو پادری کے وعظ ونصیحت کے برعکس اس کے ساتھ بہنوں کا سا سلوک کرتیں اور اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دیتیں کہ وہ ایک غیر مسلم ہے۔اِن میں ایک کیساتھ تو اسکے بہت گہرے مراسم

ہوگئے اور ان دونوں میں اتنی گہری دوستی ہوگئی کہ وہ ایک لمحہ بھی اس سے جدائی برداشت نہیں کرسکتی تھی سوائے اُس پیریڈ کے جس میں ایک عیسائی معلّمہ اسے مسیحی مذہب کی تعلیم دیتی تھی۔اس پیریڈ میں بارہا سناء کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ اپنی معلّمہ سے پوچھے کہ مسلمان اس قدر بااخلاق، مہذب و متمدن اور غیر متعصب ہونے کے باوجود آخر کیسے غیر مومن اور ملحد و کافر ہیں جب کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کو بھی مانتے ہیں؟ لیکن استانی کے غیظ و غضب کے ڈر سے وہ یہ سوال نہ کرسکتی۔لیکن ایک دن تو وہ جرات کر بیٹھی اور اس اچانک سوال نے استانی کو حیران و پریشان کردیا۔اس نے اپنا غصہ دبانے اور چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے اتنا کہ "سناء تم ابھی چھوٹی ہو کم سن ہو، یہ باتیں ابھی نہیں سمجھو گی۔ان کے اخلاق و مروت تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دیں، جب بڑی ہوگی تو ہماری طرح ان کی اصل حقیقت خود بخود تم پر آشکار ہوجائے گی۔" سناء کو معلّمہ کا یہ غیر مناسب اور قطعی غیر منطقی جواب مطمئن نہ کرسکا۔

اسی اثنا میں سناء کی عزیز ترین سہیلی حناء کے والد کا تبادلہ قاہرہ ہوگیا اور وہ قاہرہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔جس دن حناء نے قاہرہ جانا تھا دونوں سہیلیاں جدائی کے غم میں آپس میں مل کر خوب روئیں۔پھر اپنی دوستی کی یادگار کے طور پر دونوں نے تحائف کا تبادلہ کیا۔حناء نے ایک خوبصورت ڈبے میں بڑے سلیقے اور احترام کے ساتھ قرآن مجید کا تحفہ سناء کو پیش کیا اور کہا "میں نے بہت سوچا اور غور کیا لیکن مجھے اس سے زیادہ قیمتی تحفہ اور کوئی نظر نہیں آیا۔" سناء نے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ اس انمول تحفے کو بوسہ دیا اور حناء کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ظاہر ہے اسے یہ تحفہ اپنے خاندان والوں کی نظروں سے چھپا کر رکھنا تھا۔

حناء کے قاہرہ چلے جانے کے بعد یہی تحفہ اس کا واحد سہارا رہ گیا تھا۔جونہی پڑوس کی مسجد سے مسلمانوں کو نماز کی دعوت دینے کے لیے اذان کی آواز گونجتی، سناء قرآن مجید نکالتی اور اسے عقیدت سے چومتی اور ساتھ ہی اپنے ارگرد تجسس کی نظر ڈالتی کہ گھر کا کوئی فرد اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ تو نہیں رہا۔ایسا کرکے اسے ایک قسم کی ڈھارس سی ملتی۔دن گزرتے رہے یہاں تک کہ سناء کی شادی کنواری مریم کے گرجا کے نگران سے ہوگئی۔وہ اسی قیمتی تحفے کو خاوند کی نظروں سے بھی چھپاتا تھا۔

پھر سناء کو محرمات کو روکنے والے دفتر میں ملازمت مل گئی جہاں باپردہ مسلمان لڑکیاں ملازم تھیں۔یہاں سناء کی دوستی کا دائرہ اور وسیع ہوگیا اور حناء کی دوستی کا اثر اور گہرا ہوگیا۔ان مسلمان سہیلیوں اور پڑوسیوں کے دین اور اخلاق و مروت سے متاثر ہوکر سناء اسلام اور مسیحیت کا باہم

موازنہ کرنے لگی۔وہ گرجا گھر میں پادری اور دیگر متعصب عیسائیوں کی زبان سے مسلمانوں اور اسلام کے متعلق جو کچھ سنتی اس کا موازنہ وہ مسلمان سہیلیوں اور پڑوسیوں کے حسن سلوک سے کرتی تو ان میں واضح تضاد نظر آتا نیز نہ جانے کیوں جب بھی قریبی مسجد سے اذان گونجتی تو سناء اپنا دل خود بخود اس کی طرف کھنچتا ہوا محسوس کرتی اس کا سبب اسے خود بھی معلوم نہ تھا۔

رفتہ رفتہ اس کے اندر حقیقت اسلام جاننے کا زبردست داعیہ پیدا ہو گیا۔وہ خاوند کی عدم موجودگی میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر شیخ الشعراوی، شیخ النجار اور شیخ النمر جیسے مشائخ کی اسلام کے مختلف موضوعات پر تقریریں سنتی جن میں اس کے دل و دماغ میں ابھرنے والے پریشان کن سوالات کا شافی جواب ملتا۔مزید برآں شیخ محمد رفعت اور قاری عبدالباسط عبدالصمد کی دل آویز تلاوت قرآن سنتی جو اسے بہت اچھی لگتی اور وہ دل میں سوچتی کہ یہ دل نشین کلام کسی بشر کا نہیں ہو سکتا۔(جیسا کہ پادری صاحبان کا دعویٰ تھا کہ یہ قرآن محمد ﷺ کا اپنا کلام ہے) بلکہ یہ کلام اللہ کا کلام ہے، یہ وحی الٰہی ہے۔

ایک روز جب کہ اس کا خاوند گرجا میں تھا' سناء نے ڈرتے ڈرتے کانپتے ہاتھوں سے وہ مخفی خزانہ یعنی قرآن مجید نکالا جب اسے کھولا تو اس کی نظر اس آیت کریمہ پر پڑی ''بے شک مثال عیسیٰؑ کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدمؑ کی مانند ہے بنایا اسے مٹی سے پھر فرمایا اسے ہو جا تو وہ ہو گیا۔''(آل عمران)

اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور پیشانی عرق آلود تھی بلکہ اس کے سارے بدن پر کپکپی طاری تھی وہ خود حیران تھی کہ اس نے بارہا قرآن مجید ریڈیو، ٹیلی ویژن پر اور اپنی مسلمان سہیلیوں سے سنا تھا لیکن ایسی حالت اس کی کبھی نہ ہوئی تھی جو آج قرآن کی یہ آیت پڑھنے سے ہوئی تھی وہ اور پڑھنا چاہتی تھی کہ اسے خاوند کے بیرونی دروازہ کھولنے کی آواز سنائی دی۔اس نے جلدی سے قرآن کو چھپا دیا اور کچن میں چلی گئی جہاں وہ اس کے لیے خنزیر کے گوشت سے اس کی مرغوب ڈش تیار کر رہی تھی۔

اس واقعے کے اگلے دن جب وہ اپنے دفتر گئی تو کئی سوالات اس کے دل و دماغ میں ایک عجیب ہلچل مچائے ہوئے تھے۔اس آیت کریمہ نے اس قضیئے کا فیصلہ کر دیا تھا آیا عیسیٰؑ ابن اللہ تھے جیسا کہ عیسائی پادریوں کا عقیدہ تھا یا اللہ کے نبی جیسا کہ قرآن کہتا ہے۔اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ عیسیٰؑ بھی صلب آدم سے تھے پھر وہ ابن اللہ کیسے ہوئے؟ اللہ تعالیٰ تو ان چیزوں سے پاک ہے۔لَم یلد ولَم یُولَد ولَم یکُن لَہٗ کفواً احد۔

اب ثناء پر یہ حقیقت آشکارا ہو چکی تھی کہ محمد ﷺ بھی اللہ کے رسول ہیں وہ دل میں کلمہ طیبہ پر ایمان لا چکی تھی۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ لیکن اپنے دفتر بیٹھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کیا اس مرحلے پر وہ اپنے اسلام کا اعلان کر سکتی ہے؟ وہ انہی سوچوں میں مبتلا تھی کہ وہ اپنے اسلام کا اعلان کس طرح کرے؟ ابھی کرے کہ نہ کرے یا مزید انتظار کرے؟ حالات کے ساز گار ہونے تک اسے ملتوی کرے؟ بظاہر وہ اپنے کام میں مشغول تھی لیکن اس کے دل ودماغ انہی سوچوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے کہ اس کا یہ اقدام یعنی اعلان اسلام کا عمل اس کے خاوند، گرجا اور اس کے خاندان کی طرف سے کئی قسم کے رد عمل پیدا کرے گا۔

کئی ہفتے وہ اس قسم کے خیالات کی ادھیڑ بن میں غلطاں و پیچاں رہی۔ عمل اور رد عمل کے خوف میں مبتلا رہی آخر وہ فیصلہ کن ساعت آ ہی گئی، وہ گھڑی آ گئی جب اس نے ضلالت و گمراہی کے کمر توڑ بوجھ سے آزادی کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دفتر میں انہی خیالات و تفکرات میں کھوئی ہوئی تھی کہ اس نے قریبی مسجد سے اذان کی آواز سنی جو مسلمانوں کو اپنے رب سے ملاقات اور نماز ظہر ادا کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ اس اذان نے اس کے اندر ایک طوفان بپا کر دیا۔ اسے ایسا لگا کہ وہ ضلالت و جہالت اور باطل کے گراں بوجھ تلے دبی ہوئی ہے اور حق کو جان لینے کے بعد اور ایک عرصے سے اپنے رواں رواں کے اندر حق کی طلب موجود ہونے کے باوجود حق کے اظہار سے گریز کر کے گناہ عظیم کا ارتکاب کر رہی ہے۔ جب موذن نے اشہدان لاالہ اللہ کے بعد اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو وہ دفعتاً اٹھ کھڑی ہوئی اور بلا جھجک بلند آواز سے گویا ہوئی۔

**''اشهدان لا اله الا الله واشهدان محمدرسول الله''**

اس کے کمرے میں موجود اس کی مسلمان سہیلیاں جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں، ثناء کے منہ سے کلمہ اسلام سن کر بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔ مبارک مبارک مرحبا کی آوازوں سے کمرہ گونج اٹھا۔ فرط مسرت سے ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے۔ ہر ایک مبارک باد دیتے ہوئے اسے گلے سے لگایا اور وہ بھی خوب بھینچ بھینچ کر انہیں گلے ملی۔ اس کی آنکھیں بھی خوشی سے پرنم ہو گئیں۔ اس نے ان سے کہا سب میرے لیے دعا کرو کہ اللہ کریم میری گزشتہ کوتاہیاں اور گناہ معاف کر دے اور مجھے اسلام پر استقامت بخشے۔

ثناء کے قبول اسلام کی خبر آناً فاناً جنگل کی آگ کی طرح تمام دفتر میں پھیل گئی اور اس کی عیسائی رفیق کار لڑکیوں نے یہ خبر اس کے خاوند اور خاندان تک پہنچانے میں ذرا دیر نہ لگائی اور غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے انہیں مشورہ دیا کہ قبل اس کے کہ وہ عدالت میں جا کر باضابطہ طور

پر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دے اسے اس فعل سے روکیں۔ ادھر سناء نے بھی فوراً عدالت میں جا کر باضابطہ طور پر اپنے قبول اسلام کا اعلان کر دیا کہ کہیں اس کا خاوند اور خاندان والے اسے جبراً اعلان اسلام سے روک نہ دیں۔ یہ سب کچھ کر کے جب وہ گھر گئی تو اسے یہ معلوم کر کے ذرا بھی ملال نہ ہوا کہ اس کے خاوند نے اس کی ملبوسات اور زیورات اور مال ومتاع پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسے اگر فکر تھی تو یہ کہ خاوند اس کے بچوں کی تربیت گرجا میں دی جانے والے عقیدہ تثلیث کے مطابق نہ کرے اور انہیں بھی اپنی طرح جہنم کا ایندھن نہ بنائے۔

اللہ کریم نے اس کی یہ دعا قبول کی۔ مسلمانوں کی ایک انجمن نے اس کی طرف سے عدالت میں یہ درخواست گزاری کہ بچے چونکہ کم سن ہیں، نابالغ ہیں، تو والدہ کا حق ہے کہ ان کی پرورش کرے لہٰذا اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے۔ عدالت نے اس کے خاوند کو بلا کر پوچھا۔ آیا وہ بھی اسلام قبول کر کے سناء کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا اپنے آبائی دین پر قائم رہ کر سناء سے علیحدگی چاہتا ہے کیونکہ قرآن کی رو سے ایک مسلمان عورت غیر مسلم خاوند کے نکاح میں نہیں رہ سکتی۔ اس کے خاوند نے قبول حق سے انکار کیا تو عدالت نے دونوں کے درمیان علیحدگی کرا دی اور نابالغ بچوں کی پرورش کا بھی سناء کے حق میں فیصلہ کر دیا کیونکہ وہ فطری طور پر والدہ سے زیادہ مانوس ہونے کی وجہ سے والدہ کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔

سناء کی مشکلات ومصائب اور ابتلاء وآزمائش کا دور اب شروع ہونے والا تھا۔ اگر اس کا خاوند اور خاندان فیصلہ ہو چکنے کے بعد اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے تو وہ کسی نہ کسی طرح اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پال لیتی لیکن انہوں نے ایک طرف تو اس سے قطع تعلق کر لیا اور دوسرے اسے اپنے آبائی مذہب پر لوٹانے کے لیے کئی حربے آزمائے اور بڑے جتن کیے نیز اس کے جن مسلمان خاندانوں سے تعلقات تھے انہیں دھمکیاں دینی شروع کیں کہ کسی طرح اس کی مدد نہ کریں لیکن انہیں شاید یہ علم نہیں تھا کہ اس کی مددگار تو اللہ کریم کی ذات عالی ہے۔ سناء نے اپنے رب سے دعا کی کہ اللہ کریم اسے ابتلاء وآزمائش کی ہر گھڑی میں ثابت قدم رکھے اور مخالفین کی تمام مذموم کوششوں کو جو وہ اسے آبائی دین پر لوٹانے کے لیے کر رہے تھے ناکام بنا دے۔ اللہ کریم نے اپنی مومنہ کی دعا اس طرح قبول کر لی کہ ایک بیوہ خاتون جس کی اپنی چار بیٹیاں تھیں اور اس کا واحد کفیل اس کا جوان بیٹا تھا وہ سناء کے عزم واستقامت سے بہت متاثر ہوئی۔ اس نے سناء کے سر پر دست شفقت رکھا اور اپنے بیٹے محمد کا نکاح سناء سے کرنے کی پیشکش کی جو سناء نے کچھ غور وخوض کے بعد قبول کر لی اور ہنسی خوشی اس کی چار بہنوں اور بیوہ ماں کے ساتھ پُر مسرت زندگی گزار رہی ہے اور خدا سے ہر لحظہ اسلام پر استقامت کی دُعا کرتی رہتی ہے۔

# سفر نامہ کروایشیاء (قسط نمبر 8)

**طارق محمود**

دبراونک جاتے ہوئے کچھ احباب نے ایک جزیرے (ملی ایت) کی بہت تعریف کی تھی اس لئے واپسی سے پہلے بطور خاص اہتمام کیا وہاں جانے کا۔ ہفتہ کے روز بذریعہ موٹر بوٹ روانگی ہوئی۔ بیشتر لوگ غسل کے لباس میں ہی تھے جن کے درمیان میں نے اپنے آپکو Over dressed محسوس کیا۔ موٹر بوٹ کے شیڈول کے مطابق یہاں قیام تقریباً دس گھنٹے کا تھا جو تنہائی کے سبب ذرا طویل لگ رہا تھا۔

جزیرے پر اُتر کر بذریعہ ویگن ایک اور مقام پر پہنچ کر پھر کشتی میں بیٹھے اور ایک چھوٹے سے جزیرے پر وارد ہوا۔ اس جزیرے کی وجہ شہرت ایک نہایت قدیم چرچ کی عمارت ہے۔ اِس کے اِردگرد دو جھیلیں۔ دھوپ ذرا تیز تھی۔ گائیڈ جب چرچ اور قرب و جوار کے شکستہ مقامات دکھا چکا تو میں نے پوچھا کہ کتابچے میں نیشنل پارک کا بھی ذکر ہے۔ کہنے لگا یہ سارا علاقہ جو نظروں میں ہے یہ نیشنل پارک ہی ہے۔ کسی منظر کی صحیح Evaluation کیلئے ذاتی کیفیت کا ہم آہنگ ہونا اور موزوں کمپنی کا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہ سارا منظر، شنید سے کمتر ہی لگا۔

دوپہر کے کھانے میں ساتھ والی میز پر دو غیر ملکی جوڑے نظر آئے۔ تعارف پر پتہ چلا کہ مانچسٹر سے آئے ہیں۔ میں نے کہا کہ اس جزیرے کی شہرت بہت سنی تھی۔ کیا یہی کچھ ہے یا ابھی کچھ اور ہے دیکھنے کو؟ کہنے لگے یہ چرچ بہت قدیم ہے۔ میں نے کہا دیکھ چکا بولے یہ نمکین پانی کی جھلیں ہیں، میں نے سوچا کھڑے پانی میں کیا خوبی ہے جو متلاطم میں نہیں ہے۔

میں نے تبصرہ کیا کہ اگر کچھ بادل ہوتے اور پھوارسی پڑ رہی ہوتی تو شاید یہ منظر زیادہ خوشنما ہوتا، وہ بیک زبان بولے کہ ہمیں تو سورج ہی اچھا لگ رہا ہے۔ بہت بارشیں ہوتی ہیں۔ مانچسٹر میں۔

ایک چکر لگا کر دیکھا اس چھوٹے سے جزیرے کا۔ سب جگہ غسل آفتابی جاری تھا۔ میں نے ایک گوشہ پرسکون دیکھا تو ستر شرعی کے علاوہ لباس کو ایک طرف رکھا اور چند فٹ گہرے پانی میں بیٹھ گیا۔

بذریعہ کشتی اس جزیرے سے ایک قریبی مقام پر گئے جہاں دو جھیلیں آپس میں ملتی ہیں اور بہاؤ ایک جھیل سے دوسری کی طرف واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ایک سمت کو جھیل کے کنارے کنارے چلنا شروع کیا۔ ایک شکستہ کشتی نظر آئی۔ گمان ہوا کہ حضرت خضر بھی کہیں آس پاس ہی ہیں۔ سستانے کو جی چاہ رہا تھا۔ وقت بھی کافی تھا واپسی میں۔ دو تختے جوڑ کر زمین پر رکھے اور لیٹ گیا۔ کچھ کمی سی محسوس ہوئی۔ ایک ڈبہ نظر آیا۔ بھر بھر کر خوب چھڑکاؤ کیا۔ اُلٹی ہوئی ایک کشتی کو صاف کر کے اس پر لیٹ گیا۔ ہوا میں کچھ ٹھنڈک سی آ گئی چھڑکاؤ کے بعد۔ اِسی کیفیت میں نیند آ گئی۔ خوب سویا۔ اُٹھا تو دن ڈھل چکا تھا۔ وہاں سے کشتی پکڑی اور ویگن والے مقام پر واپسی ہوئی۔ ویگن کے انتظار میں بیٹھے ایک جوڑے نے ہیلو ہائے کہی۔ پوچھنے لگے؟From India میں نے تصیح کی کہ پاکستان، کروایشیا آنے کا مقصد، دبراونک کے قیام کے بارے میں چند سوال جارج نامی یہ شخص کینیڈا کا تھا اور بیوی اِسکی مقامی تھی اور حسن اتفاق کہ دبراوکو کے علاقے کی ہی تھی ویگن آنے پر واپس پہنچے اِس جزیرے کی سیر کے نقطۂ آغاز پر۔ وہاں ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے موٹر بوٹ کے انتظار میں۔

میں نے جارج کے بتانے پر کہ اس نے کئی پاکستانیوں اور انڈینز کے ساتھ کام کیا ہے، اس سے پوچھا کہ دونوں قوموں کے بارے میں کوئی عمومی تاثر بیان کر سکتے ہو؟ کہنے لگا بالکل۔ میں نے پاکستانیوں کو ہمیشہ ولولے اور لگن سے کام کرتے دیکھا جبکہ ہندو واجبی دلچسپی سے کام کرتے ہیں۔ بیرا بل لے کر آیا تو میں نے کہا کہ ہماری روایات کے مطابق ایسے موقعوں پر بل کی ادائیگی اس کے ذمہ ہوتی ہے جو بلحاظ عمر بڑا ہو اِس لئے مجھے یہ روایت پوری کر ہی لینے دو۔ دونوں نے شکریے کے ساتھ یہ آفر قبول کی۔

کشتی میں بیٹھ کر میں نے جارج سے جو کہ ’’فارغ البال‘‘ تھا، کہا کہ ایک سوال تمہاری ذات سے متعلق ہے۔ اُمید ہے برا نہیں مناؤ گے۔ یہ تمہارے بالوں کو کیا ہوا؟ اور کبھی ان کی وجہ سے تمہیں کوئی تشویش نہیں ہوئی؟

اِس کے بولنے سے پہلے ہی اسکی بیوی بول پڑی کہ مجھے تو یہ ایسے ہی اچھا لگتا ہے، میں نے کہا کہ اس بات کو پوچھنے کا مقصد اپنے لئے معلومات لینا ہے کہ اس صورتِ حال کا کوئی معقول حل

ہے؟ کہنے لگا میرے نزدیک تو اس کے حل کے بارے میں فکرمند ہونا ہی غیر معقول بات ہے۔ اس کی بیوی نے اسکے گنجے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دہرایا کہ مجھے تو یہ اس حالت میں زیادہ اچھا لگتا ہے۔ میں نے دل میں کہا کہ تمہیں یہ گنجو ہی اچھا لگے گا کیونکہ اِس حالت میں کسی اور کو اچھا لگنے کے امکانات جو کم ہیں۔

خاتون کی جسمانی حالت بتارہی تھی کہ وہ فطرت کے افزائش نسل کے پروگرام کا آلہ کار بن چکی ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس حالت میں سفر کی کیا مجبوری تھی؟ جارج کہنے لگا میرا تو یہ پہلا موقع ہے کروایشیاء آنے کا۔ یہ اِسی کی خواہش تھی مجھے اپنا ملک دکھانے کی۔ خاتون کہنے لگی کہ مجھے ہوائی اور بحری سفر Allowed ہے۔ میں نے کہا Allowed تو ہے لیکن Recommended تو نہیں ہے نا۔ جو چیز Recommended نہ ہو اسکو Allowed ہوتے ہوئے بھی اختیار نہ کرنا ہی احتیاط کا تقاضا ہے۔

**دبراونک سے واپسی اور عمر گمراہ۔**

دبراونک سے واپسی کا سفر 10 گھنٹے Ferry اور 6 گھنٹے بس، پر مشتمل تھا۔ Ferry میں داخل ہوکر سامان ایک جگہ رکھا اور مناسب جگہ کی تلاش میں ایک چکر لگایا۔ ناقہ دل نے جس جگہ قرار پکڑا اس کے سامنے والی سیٹ پر ایک نوجوان، نیم دراز۔ مطالعے میں مصروف نظر آنے کی کوشش میں تھا۔ پوچھنے پر جواب دے دیا کہ سیٹ خالی ہے۔

ناشتے کے بعد میں نے سوچا کہ آغاز کرنے میں کیا حرج ہے، اس شخص سے گفت وشنید کا۔ شاید کچھ بات عجیب سننے میں آئے اور سفر اچھا کٹے۔ میں نے جانچ پرکھ کر "شٹل" چھینکی یہ کہتے ہوئے کہ میرا اندازہ ہے کہ تمہارا تعلق کینیڈا سے ہے اور میں اسے اپنے مشاہدے کی بنا پر Guess کررہا ہوں۔ کچھ رمق چمک کی آئی اِسکی آنکھوں میں۔ متعجب ہوکر کہنے لگا کہ اندازہ آپ کا بالکل ٹھیک ہے۔

اب اس نے پوچھا کہ آپ کا تعلق پاکستان سے ہے؟ اب میری باری تھی حیران ہونے کی۔ کیونکہ اب تک سب نے انڈیا سے ہی آغاز کیا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ اندازہ تم نے کیونکر لگایا؟ کہنے لگے خدوخال سے تو علاقے کا اندازہ ہوگیا۔ کچھ دیر پہلے آپ کو عربی رسم الخط میں لکھتے دیکھ

کر میں نے نتیجہ نکالا کہ یہ شخص پاکستان سے ہے۔
اپنا نام بتا کر میں نے اس کا نام پوچھا تو اس نے عمر بتایا میں نے چونک کر دوبارہ پوچھا تو کہنے لگا میرا نام تو عمر ہی ہے لیکن میں مسلمان نہیں ہوں۔ البتہ میرا باپ مسلمان تھا۔
کہانی کا آغاز دلچسپ لگا۔ کہنے لگا میرا باپ مسلمان تھا لبنان کا اور ماں عیسائی تھی کینیڈا کی۔
میں نے استفسار کیا کہ انکی شادی کس مذہب کے مطابق ہوئی؟ کیا دونوں اپنے اپنے مذہب پر قائم رہے شادی کے بعد؟ کہنے لگا شادی کی ہی کب تھی انہوں نے۔ میرے والد کی منزل مقصود امریکہ تھی اور کینیڈا میں کچھ عرصہ رُکنا اسکی ضرورت تھی۔ یہیں اسکی شناسائی میری والدہ سے ہوئی۔
ایک بھائی مجھ سے 5,4 سال بڑا ہے اس نام کی وجہ سے مجھے متعدد بار پریشانی ہوئی ہے۔ ابھی سلوینیا والوں نے مجھے ائیر پورٹ پر کئی گھنٹے بٹھائے رکھا پوچھ گچھ کیلئے۔ میں نے کچھ سوال و جواب کئے اس Offer کے ساتھ کہ وہ بھی مجھ سے کسی موضوع پر کوئی بھی سوال پوچھ سکتا ہے۔
عمر: میرے والد کا جانا دھوکہ دہی تو نہیں تھا بلکہ یہ Planned تھا اور میری ماں خود ہی اسکے ساتھ نہیں گئی۔ دوستی ان دونوں میں رہی اور ملتے بھی رہے۔
میں: باپ کیلئے کوئی رمق محبت کی محسوس ہوئی؟ کبھی ملاقات ہوئی؟۔
عمر: نہیں۔ ملاقات البتہ تین چار مرتبہ ہوئی۔
میں: باپ سے ملاقات کیونکر ہوئی جبکہ تعلق کی فضا موجود نہ تھی۔
عمر:۔ مجھے تو کوئی شوق نہیں تھا۔ ماں کی خواہش تھی ہمیں ملوانے کی۔
میں:۔ ماں کے زیر اثر رہ کر تم عیسائی ہو گئے؟ (مسلمان نہ ہونے کا تو وہ بتا ہی چکا تھا)۔
عمر:۔ میں نہ مسلمان ہوں نہ عیسائی۔ میرا باپ برائے نام مسلمان تھا۔
اور ماں ایسٹر، کرسمس کی حد تک عیسائی۔ میں مذہب کی قید و بند سے آزاد ہوں۔ لبنان جانے کا اتفاق ہوا تھا ایک دفعہ۔ میرے باپ کے خاندان والے بڑی محبت سے پیش آئے۔ البتہ مسلمانی انکی بھی ایسی ہی تھی جسے دیکھ کر شرمائیں یہود و ہنود۔
میں۔ عمر میاں تم سے بات کا لطف آئے گا کیونکہ تم کھلے ذہن کے اور تعصب سے پاک انسان ہو، سچ بتانا کہ کبھی کسی وقت خیال آیا کہ کسی مذہب یا عقیدے پر ایمان لانا چاہیے؟۔

عمر:۔ کبھی نہیں ۔ کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی کسی مذہب پر کاربند ہونے کی ۔ ایک دفعہ دورانِ سفر ایک ایئر پورٹ پر کچھ تبلیغی حضرات مل گئے ۔ رات کافی گذر چکی تھی ۔ ہوٹل کی بکنگ بھی نہ تھی ۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ مسجد چلنے کی دعوت دی میں نے بھی وقت زیادہ ہوجانے اور جگہ کی اجنبیت کے سبب ساتھ جانے میں ہی مصلحت دیکھی ۔ جب انکو میرے کوائف کا کچھ علم ہوا تو وہ میرے پیچھے پڑ گئے کہ اپنے نام کی لاج رکھواور اعمال حسنہ اختیار کرو ۔

میں نے ان سے کہا کہ مجھے خدا کی ضرورت ہی نہیں اور نہ میں اس کو مانتا ہوں آپ لوگ کیوں مجھے مجبور کرتے ہیں؟ انہوں نے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر مجھے اس کلمہ کفر سے باز رہنے کو کہا۔ الغرض ان لوگوں نے کئی دن مجھے اپنے ساتھ رکھا اس خیال سے کہ میں راہِ راست پر لوٹ آ ؤں گا ۔ میں زچ ہوگیا اور بالآ خر میں نے ان پر واضح کر دیا کہ میں اس مسلمانی کے چکر میں نہیں پڑنے کا ۔

اس کے بعد اس نے مسئلہ کشمیر او ر افغانستان پر اپنی معلومات بتائیں جو بالکل درست تھیں ۔ پوچھنے لگا کہ افغانستان کے لوگ بہت مذہبی بھی تھے لیکن پوست کی کاشت بھی وہاں جاری رہی ۔ یہ کیونکر ممکن رہا۔ میں چونکہ پہلے ہی اسکو بتا چکا تھا ۔ کہ پیدائشی مسلمانوں کے اعمال کی روشنی میں اسلام کے بارے میں کوئی تاثر قائم کرنا درست نہ ہوگا ۔ اس لئے کہ جس طرح کے اسلام پر بیشتر مسلمان عمل پیرا ہیں وہ خود خدا اور قرآن کو بھی Acceptable نہیں ہے ۔

**پلٹو ٹرو ے:**

اب تک دیکھے گئے مناظر میں سب سے منفرد جہاں جنگلات اور جھیلیں ایک عجیب ترتیب سے پائی جاتی ہیں ۔ یہ علاقہ جو نیشنل پارک کہلاتا ہے داخل ہونے پر ایک شفاف جھیل کا منظر پیش کرتا ہے جس میں آبشاریں گر رہی ہیں جھیل کے بیچ میں لکڑی کے تختوں کی مدد سے راستے اور روشیں بنائی گئی ہیں جو **جنت تجری من تحته الانهار** کی تفسیر محسوس ہوتی ہیں ۔ آبشاروں کے ماخذ دیکھنے کی خواہش میں جب انسان اوپر چڑھتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ آبشاریں، ندیوں کی صورت میں چند اور جھیلوں سے نکل کر آ رہی ہیں اور ان جھیلوں کے اندر پھر اسی طرح آبشاریں آ کر گر رہی ہیں ۔ یہ سلسلہ کافی دور تک اسی طرح جاتا ہے اور یہ سیاح کے

حوصلے پر ہے جہاں تک وہ چل سکے۔ پانی کی فراوانی اور آبشاروں کی پھوار سے ایک تازگی سی فضا میں محسوس ہوتی ہے۔ جاتے ہوئے بس میں ایک خاتون نے کنڈیکٹر سے رابطہ کرنے میں مدد دی اپنی انگریزی سے واقفیت کی بناء پر، وطنیت اس نے پوچھی تو پاکستان کا سن کا کہنے لگی میں بھی دس سال پہلے وہاں جا چکی ہوں۔ پوچھا کہ جانے کے اسباب کیونکر بنے۔ تو بتانے لگی کہ ایک پاکستانی دوست کی وجہ سے جانا ہوا۔ لاہور کے قریب کسی گاؤں میں رہائش تھی۔ وضع دار قسم کا روایتی گھرانہ۔

میں نے پوچھا کہ وہاں سے متعلق کوئی دلچسپ یادیا واقعہ؟ کہنے لگی وقت اچھا گذرا، اِسکے ماں باپ بہت مذہبی لوگ تھے۔ امیر شخص تھا لیکن میرے لئے وہاں رہنا ممکن نہ تھا۔ اس سے شادی کی صورت میں بہت کچھ چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ مذہب، لباس، نام، اتنی قربانیاں دینے کی ہمت نہ تھی۔ موجودہ زندگی کے بارے میں بات ہوئی تو حیرت ہوئی کہ وہ کمبخت بھی مسلمان ہی نکلا۔ میر عالم نام بتایا گیا اس کا۔ اشتیاق نے جذبہ ایمانی کے تحت اسے سلام بھجوایا۔ خاتون عیسائی اور خاوند مسلمان۔ دونوں برائے نام، لیکن کوئی بھی یہ Label اُتارنے یا بدلنے کو تیار نہیں۔ چونکہ اس خاتون اور میرے درمیان اشتیاق حائل تھے اس لئے میرے سوالوں سے بے چین ہونے کے باوجود سننے پر مجبور تھے۔ اِنکے خیال میں وہ خاتون میرے سوالوں سے Un-easy محسوس کر رہی تھی۔ جبکہ میرا تاثر یہ تھا کہ اس نے بڑے واضح انداز میں اور خوشدلی سے جواب دئے۔ بیشتر مغربی خواتین کی مانند اس خاتون کو بھی گھریلو ہونا سخت ناپسند تھا۔ بقول اِسکے کسی کی محتاجی بڑی تکلیف دہ بات ہے۔ گھریلو ہونے کی صورت میں بہر حال خاوند کے دستِ نگر ہونا پڑتا ہے۔

میں نے کہا کہ اگر خاوند بآسانی Afford کر سکتا ہو اور کوئی روک ٹوک بھی نہ کرے تو تب گھریلو عورت ہونا اِس کیلئے acceptable ہے؟ لیکن اِسکے انداز سے واضح تھا کہ اسے یہ صورت بھی بہ طیب خاطر قبول نہیں ہے۔

یہ خاتون تدریس کے شعبہ سے وابستہ تھی، یہ پتہ چلنے پر اِسکی افتادِ طبع کو سمجھنا آسان ہوگیا۔ سارا دن طالب علموں پر حکم چلا کر جو تسکین اندر کے آمر کو پہنچتی ہے اس سے دستبردار ہونا آسان نہیں۔

ہماری سوسائٹی میں عورت پر لگائی گئی قدغن اِسکے لئے قابل قبول نہ تھی۔ اشتیاق نے بات

میں حصہ لیتے ہوئے کہا کہ ہماری عورتیں تو بہت آرام میں رہتی ہیں۔نوکری کی مشقت سے بچی ہوئی۔گھر کی عملاً سربراہ، کہنے لگی اس کے بدلے میں یہ کیا کم عذاب ہے کہ وہ صرف آپ ہی کی شکل دیکھنے پر مجبور ہیں۔جبکہ ہماری سوسائٹی میں عورت کی اپنی بھی ایک زندگی ہے، وہ جہاں چاہے جاسکتی ہے، جس سے چاہے مل سکتی ہے، میں نے پوچھا کہ اس آزادی کا فائدہ شادی کے بعد کیا رہ جاتا ہے؟ کیا شادی کے بعد بھی یہ آزادی حاصل رہتی ہے؟

کہنے لگی بالکل میں نے پوچھا شادی کے بعد کسی سے ملنے کا مقصد یا مطلب اِسکے سوا کیا ہے کہ اس میں دلچسپی لی جا رہی ہے، کہنے لگی ضروری نہیں۔کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔کاروباری یا دفتری معاملات بھی ہوسکتے ہیں۔میں نے کہا کہ اس قسم کے معاملات میں آزادی کا کیا حاصل؟ لیکن اگر ملاقاتیں اپنی مرضی سے خوش وقتی کیلئے ہوں تو کیا یہ صورت خاوند کیلئے Acceptable ہوتی ہے؟ یہاں بات پہ اسکی گرفت ڈھیلی پڑگئی۔کہنے لگی ہم تو اکٹھے ہی جاتے ہیں سیر و تفریح کیلئے یا کہیں اور جانا ہو تو۔

دو بچیاں تھیں اس خاتون کی ماریا اور ریا میلا استفسار کیا کہ باپ نے انکے نام بھی مسلمانوں والے نہ رکھے؟ کہنے لگی Funny قسم کے نام رکھ کر بچوں کو کیوں تمسخر کا نشانہ بنوایا جائے۔جیسی سوسائٹی ویسے نام رکھ دیئے۔اسلام اس کا برائے نام ہے اور میری عیسائیت بھی۔

یہ خاتون اپنی والدہ اور بچیوں کے ساتھ سویڈن سے اپنے آبائی گھر جا رہی تھی۔سفر کی تھکاوٹ اِسکے انداز سے مترشح تھی۔اشتیاق بھی گھٹنے کا دباؤ ڈال کر اس سلسلہ سوال و جواب پہ خاموش احتجاج کر رہے تھے۔میں نے آخری سوال پوچھا کہ جب تم نے پاکستان جانے کا ارادہ کیا تھا اپنے اُس پاکستانی دوست کے ساتھ تو تمہارے اہل خاندان نے یا دوست احباب نے منع تو کیا ہوگا وہاں جانے سے؟ کہنے لگی سمجھایا تو تھا انہوں نے کہ وہاں کی بود و باش اور طرح کی ہے اور تم وہاں Adjust نہ کرسکوگی لیکن میں نے سوچا دیکھنے میں کیا ہرج ہے۔

پلٹوڑے کا قیام پانچ چھ گھنٹے کا تھا۔مناظر تمام خوب سے خوب تر، دوپہر کھانے میں چکن اور چپس کھائے، جھٹکے سے جو کراہت شروع میں تھی اب کافی حد تک دور ہو چکی تھی۔ماحول کا اثر ہو کر رہتا ہے، اہل تبلیغ اِسی لئے کھینچ کھینچ کر لوگوں کو گھروں سے نکالتے ہیں۔دینی ماحول میں لانے کیلئے، لیکن واپس اسی ماحول میں آکر ان چند ماہ کا اثر کب تک رہ سکتا ہے؟ جب تک روزمرہ کا ماحول درست نہ ہو، اثرات کا قائم رہنا ناممکن ہے۔ (جاری ہے)

## بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف

قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔
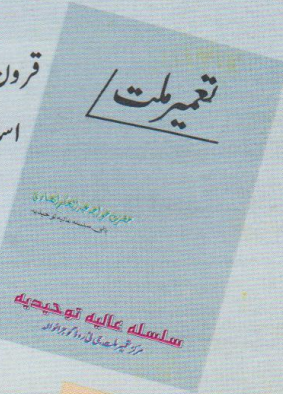
کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔
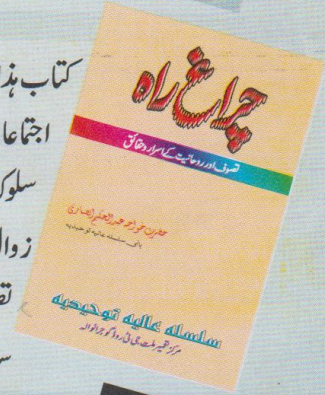
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:-
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔
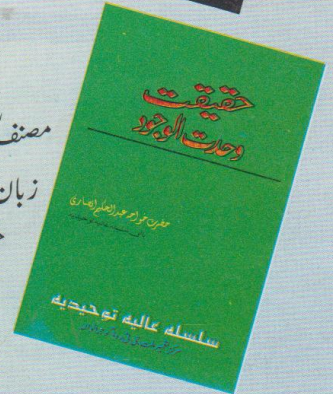
**Reg: SR - 01**

**Website: www.toheedia.net**